جامعہ مدنیہ جدید کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ لاہور

اگست ۲۰۱۶ء

بیاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ جدید

ماہنامہ انوارِ مدینہ

جلد : ۲۴	ذیقعدہ ۱۴۳۷ھ / اگست ۲۰۱۶ء	شمارہ : ۸

سیّد محمود میاں	سیّد مسعود میاں
مُدیر اعلیٰ	نائب مُدیر

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ 25 روپے.....سالانہ 300 روپے

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات.....سالانہ 50 ریال

بھارت، بنگلہ دیش ..... سالانہ 13 امریکی ڈالر

برطانیہ، اَفریقہ ..... سالانہ 13 ڈالر

اَمریکہ ..... سالانہ 16 ڈالر

جامعہ مدنیہ جدید کی ویب سائٹ اور اِی میل ایڈریس

www.jamiamadniajadeed.org

E-mail: jmj786_56@hotmail.com

ترسیلِ زر و رابطہ کے لیے

''جامعہ مدنیہ جدید'' محمد آباد 19 کلومیٹر رائیونڈ روڈ لاہور

اَکاؤنٹ نمبر اَنوارِ مدینہ 2-7914-100-020-0954

مسلم کمرشل بنک کریم پارک برانچ راوی روڈ لاہور (آن لائن)

رابطہ نمبر: 042-37726702,03334249302

جامعہ مدنیہ جدید (فیکس) : 042 - 35330311

خانقاہِ حامدیہ : 042 - 35330310

فون/فیکس : 042 - 37703662

موبائل : 0333 - 4249301

مولانا سیّد رشید میاں صاحب طابع وناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر

دفتر ماہنامہ ''اَنوارِ مدینہ'' نزد جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور سے شائع کیا

اس شمارے میں

حرفِ آغاز		۴
درسِ حدیث	حضرت اَقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحبؒ	۷
سرمایہ ختم کیا جائے یا بخل	حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحبؒ	۹
جمعیۃ علماءِ ہند کے اِجلاس میں آخری اِرشادات	حضرت اَقدس مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ	۲۴
فضائل کلمہ طیبہ اور اُس کی حقیقت	حضرت مولانا محمد اِدریس صاحبؒ اَنصاری	۲۶
منصبِ نبوت	حضرت مولانا مفتی قاری عبدالرشید صاحبؒ	۳۵
''اِسلامی نظام'' ہی اِنسانیت کی فلاح و بہبود اور نجات کا ضامن ہے	حضرت مولانا محمد اَحمد اِدریس صاحب ہوشیار پوری	۴۷

ماہنامہ اَنوار مدینہ لاہور میں اِشتہار دے کر آپ اپنے کاروبار کی تشہیر اور دینی اِدارہ کا تعاون ایک ساتھ کر سکتے ہیں !

نرخ نامہ

بیرون ٹائٹل مکمل صفحہ	2000		اَندرون رسالہ مکمل صفحہ	1000
اَندرون ٹائٹل مکمل صفحہ	1500		اَندرون رسالہ نصف صفحہ	500

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْدُ !

۱۲ر جولائی کے روز نامہ نوائے وقت میں یہ خبر شائع ہوئی کہ

''اقوامِ متحدہ کے ذیلی اِدارے یونیسکو نے مذاہب کے تقابلی مطالعہ کے بعد اِسلام کو دُنیا کا پُر اَمن ترین مذہب قرار دیا ہے۔ اقوامِ متحدہ کے ذیلی اِدارے یونائیٹڈ نیشن ایجوکیشنل سائیٹیفک اور کلچرل آرگنائزیشن (یونیسکو) نے اِنٹرنیشنل پیس فاؤنڈیشن کے اِشتراک سے دُنیا کے مختلف مذاہب پر تحقیق اور مذاہب کا مطالعہ کیا جس کے دوران یہ بات سامنے آئی کہ اِسلام امن وآشتی کا مذہب ہے، یونیسکو نے اپنی تحقیق کے بعد اِسلام کو پُر امن ترین مذہب قرار دیتے ہوئے اِس حوالے سے ایک سرٹیفکیٹ بھی جاری کیا۔''

اقوامِ متحدہ کے ذیلی اِدارے یونیسکو کی مذکوہ بالا رپورٹ کو ''تحقیق'' کا نام دیا گیا ہے ''تحقیق'' عربی لفظ ''حق'' سے بنایا گیا ہے تحقیق کا ترجمہ ہوتا ہے کسی چیز کو بلا شک وشبہ حق قرار دینا اِس کا مقابل ''باطل'' ہوتا ہے لہٰذا جب کسی مذہب کو حق قرار دیا جاتا ہے تو اُس کے مقابل جتنے مذاہب بھی ہوں گے خود بخود باطل قرار پا جائیں گے، جواب تک اِس کو حق تسلیم نہیں کرتے رہے اُن پر اِس کو حق تسلیم کرتے ہوئے اِیمان لانا بھی ضروری ہوجائے گا اور اِس کے مقابل تمام مذاہب کو باطل قرار دیتے ہوئے اُن سے بیزاری اور براءت کا اعلان بھی لازم ہوجائے گا ورنہ خود اُس کی اپنی تحقیق اُس کو منہ بھی چڑائے گی اور بے وقوف اور ہٹ دھرم بھی قرار دے گی۔

اِسلام کے علاوہ جتنے بھی مذاہب ہیں وہ یا تو منسوخ ہو چکے ہیں لہٰذا اُن کی سندیں اور بنیادیں بھی منسوخ ہوکر کالعدم ہوگئی ہیں یا پھر وہ سرے سے ہی بے بنیاد ہیں نفس کے توہمات اور شیطانی وساوس کے علاوہ اُن میں کچھ نہیں ہے جیسے آتش پرست، سورج پرست، بت پرست، اللہ کے منکر دھریے، اُن کے پاس اپنے دھرموں کے لیے کوئی حوالہ ہے نہ سند و بنیاد۔

تحقیق سند و بنیاد کے بغیر نہیں ہوسکتی اِس لیے جب بھی تحقیق ہوگی تو اِسلام ہی اِسلام ہوگا اور ﴿اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً﴾ پر عمل کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا تحقیق تو وہ کرے جسے شک ہو، اگر کافر اِنصاف پر مبنی اپنی کسی بھی فکری کاوِش کو تحقیق کا نام کسی درجہ میں دینا چاہے تو دے لے مگر مسلمان تو اِسلام میں داخل ہوکر اُس پر اِیمان لا چکا ہوتا ہے وہ شک و تردّد سے بہت بالا ایسے مقام پر جا کھڑا ہوتا ہے جہاں ''تحقیق'' جیسا عمل محض غبارِ راہ ہوکر رہ جاتا ہے۔

کتنا اچھا ہوتا کہ مسلم میڈیا اِس خبر کو اپنے لیے فخر و اِعزاز بنانے کے بجائے یونیسکو کے لیے آئینہ خود نما بنا دیتا جو اُن پر اُن ہی کے خدو خال سے عیاں تنگ نظری اور بے برداشتی چہرے کی لکیروں میں چھپی ہٹ دھرمی اور بدید آنکھوں کی بدی اُس کو دِکھاتا اور منہ چڑاتا۔

باری تعالیٰ کا اِرشاد ہے :

''اِیمان والے وہ لوگ ہیں جو اِیمان لائے اللہ پر اور اُس کے رسول پر پھر شبہ نہ کیا اور لڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے وہ لوگ جو ہیں وہی ہیں سچے۔ آپ کہہ دیجیے کیا تم جتلاتے ہو اللہ کو اپنے دین کی سچائی (کہنے سے کیا ہوتا ہے جس سے معاملہ ہے وہ دلوں کا بھید خوب جانتا ہے) اور اللہ کو تو خبر ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ آپ پر اِحسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہوئے آپ کہہ دیجیے مجھ پر اِحسان نہ رکھو اپنے اِسلام لانے کا بلکہ اللہ تم پر اِحسان رکھتا ہے کہ اُس نے تم کو راہ دی اِیمان کی اگر تم سچ کہتے ہو۔ اللہ جانتا ہے چھپے بھید آسمانوں کے اور زمین کے اور اللہ دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو۔'' (الحجرات)

اللہ تعالیٰ کفار کے دجل اور مکر و فریب سے مسلمانانِ عالم کی حفاظت فرمائے۔

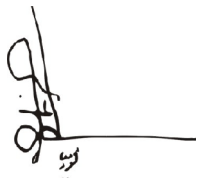

جامعہ مدنیہ جدید کے فوری توجہ طلب ترجیحی اُمور

(۱) مسجد حامد کی تکمیل

(۲) طلباء کے لیے دارُالاقامہ (ہوسٹل) اور دَرسگاہیں

(۳) کتب خانہ اور کتابیں

(۴) پانی کی ٹنکی

ثواب جاریہ کے لیے سبقت لینے والوں کے لیے زیادہ اَجر ہے۔ (ادارہ)

مولای صل وسلم دائما ابدا — درس حدیث — علی حبیبک خیر الخلق کلهم

حضرت اَقدس پیرومرشد مولانا سیّد حامد میاں صاحبؒ کے مجلسِ ذکر کے بعد درسِ حدیث کا سلسلہ وار بیان ''خانقاہِ حامدیہ چشتیہ'' رائیونڈ روڈ لاہور کے زیرِ اِنتظام ماہنامہ ''اَنوارِ مدینہ'' کے ذریعہ ہر ماہ حضرت اقدسؒ کے مریدین اور عام مسلمانوں تک باقاعدہ پہنچایا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ حضرتِ اَقدسؒ کے اِس فیض کو تا قیامت جاری و مقبول فرمائے۔ (آمین)

جو تقوی اِختیار کریں گے وہ زیادہ قریب ہوں گے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ !

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اُنہیں رسول اللہ ﷺ نے یمن (کا عامل بنا کر) بھیجا تو اُن کے ساتھ رسول اللہ ﷺ ہدایات فرماتے ہوئے مدینہ شریف سے باہر تشریف لے گئے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سوار تھے اور رسول اللہ ﷺ زمین پر اُن کی سواری سے نیچے پیدل تشریف لے جا رہے تھے (حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اُترنا چاہا تھا لیکن آقائے نامدار ﷺ نے منع فرما دیا یہ بعض دُوسری روایات میں بھی آتا ہے) جب آپ ہدایات دے کر فارغ ہوئے تو اِرشاد فرمایا کہ اے معاذ ! اَندیشہ ہے کہ تم مجھ سے اِس سال کے بعد نہ مِل سکو گے اور شاید تم میری اِس مسجد اور قبر ہی سے گزرو گے تو حضرت معاذ رسول اللہ ﷺ کے فراق کے خیال سے بِلک بِلک کر رونے لگے پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنا رُخ مدینہ شریف کی طرف کر لیا اور فرمایا میرے قریب تر وہ لوگ ہیں جو تقوی اِختیار کریں جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں۔ [1]

اِس حدیث شریف میں یہ بتلایا گیا کہ نبی کے قرب کا مدار تقوی پر ہے، جو جتنا متقی ہوگا وہ اُتنا

[1] مشکوۃ شریف کتاب الرقاق رقم الحدیث ۵۲۲۷

ہی قریب ہوگا، یہ ضروری نہیں کہ مدینہ منورہ میں دفن ہو تو قرب نصیب ہو ورنہ نہ ہو، بعض لوگ مدینہ منورہ اور اُس کے قرب و جوار میں دفن ہونے کے باوجود قربِ رسالت سے محروم ہیں جیسے اَبوجہل، اَبولہب، عبداللہ اِبن اُبی، کیونکہ یہ اہلِ تقوی میں سے نہ تھے یہ لوگ رسالت مآب ﷺ کے بدترین دشمن تھے، آقائے نامدار ﷺ اِن پر اِحسان کرتے تھے اور یہ بدبخت آپ کو ستانے کے درپے رہتے تھے اِنہوں نے اپنی زندگیاں آقائے نامدار ﷺ کی مخالفت ہی میں گزار دیں اِس لیے یہ قریب ہونے کے باوجود دُور ہیں۔ قرب کے حصول کا مدار جسمانی طور پر نزدیک ہونا نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے کوئی بھی مدینہ منورہ سے باہر تشریف نہ لے جاتے کیونکہ اُنہیں آقائے کُل ﷺ کے قرب سے کوئی چیز زیادہ محبوب نہ تھی حالانکہ بہت سے صحابہؓ نے جہاد وغیرہ کے لیے مدینہ منورہ کو چھوڑا، تو جو اِطاعت اور اخلاص میں آگے ہوگا وہی قرب میں بھی آگے ہوگا چاہے کتنا ہی دُور کیوں نہ رہتا ہو اور کسی بھی ملک میں مدفون کیوں نہ ہو۔

جنابِ رسالت مآب ﷺ نے یہ آخری چیز ایسی عجیب اِرشاد فرمائی کہ حضرت معاذؓ کو جس کام کے لیے بھیجا گیا اُس میں حضرت معاذؓ دل سے لگے رہے ہوں گے کیونکہ وہ آقائے نامدار ﷺ کے قرب کے خواہش مند تھے، جو آپ کی اِطاعت پر موقوف ہے نہ کہ ساتھ رہنے پر۔

یہ معلوم رہے کہ صحابہ کرامؓ کو ساتھ رہنے کا ثواب اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نمازیں اَدا کرنے کا ثواب سفر جہاد میں یا جہاں رسول اللہ ﷺ کے حکم سے جاتے تھے برابر ملتا رہتا تھا گویا جب صحابۂ کرام مدینہ منورہ سے باہر جاتے تو اُنہیں مدینہ شریف میں رہنے کا ثواب بھی ملتا اور باہر جہاد وغیرہ پر جانے کا بھی جیسے آج کل اَفسران کو جب وہ سرکاری کام پر جاتے ہیں تو تنخواہ تو ملتی ہی ہے اور بہت کچھ اور بھی ملتا ہے اِسی لیے تو صحابہ کرامؓ باہر جاتے تھے ورنہ مدینہ شریف سے باہر کون جاتا ؟

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمجھدار عاشق تھے اِس لیے اُنہوں نے مرضی محبوب کو اپنی خواہش پر ترجیح دی اور سفر پر روانہ ہوگئے، ورنہ کون عاشق ہوگا جو ایسی (جدائی کی) باتیں سن کر محبوب سے جدا ہو۔ (باقی صفحہ ۲۳)

علمی مضامین سلسلہ نمبر ۱۱

''خانقاہِ حامدیہ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائیونڈ روڈ لاہور کی جانب سے محدث، فقیہ، مؤرخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلف کتب کثیرہ شیخ الحدیث حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم مضامین جو تا حال طبع نہیں ہو سکے اُنہیں سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جبکہ اُن کی نوع بنوع خصوصیات اِس بات کی متقاضی ہیں کہ اِفادۂ عام کی خاطر اُن کو شائع کر دیا جائے۔ اِسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد و اَخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تا کہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔ (اِدارہ)

سرمایہ ختم کیا جائے یا بخل

﴿ حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحبؒ ﴾

✿ ✿ ✿

عمل اور رُوح کا رابطہ، فناء میں بقاء، ماہرینِ رُوحانیت کا فیصلہ :

دو کلمے ہیں سبحان اللہ والحمد للہ زبان نے حرکت کی اور یہ کلمے سنے گئے حرکت ختم ہوگئی آواز بھی ختم ہوگئی مگر کیا یہ الفاظ بھی ختم ہوگئے جو زبان سے صادر ہوئے تھے ؟ پوری دُنیا ہمیشہ اِسی فریب میں مبتلا رہی کہ یہ الفاظ ختم ہوگئے، فلاسفہ اور منطقی حضرات اپنی چمکتی ہوئی دلیلوں سے یہی ثابت کرتے رہے کہ الفاظ اَعراض ہیں جن کی اپنی کوئی ہستی نہیں ہوتی کسی دُوسری چیز کے سہارے اُن کا نمائشی وجود ہوتا ہے جو آناً فاناً ختم ہو جاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَمْلَآنِ مَا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ[۱] سبحان اللہ اور اَلحمد للہ اُس تمام فضا کو پُر کر دیتے ہیں جو آسمان اور زمین کے بیچ میں ہے، یہ ایک ایسی ہستی

[۱] مشکوۃ شریف کتاب الطھارۃ رقم الحدیث ۲۸۱

کا اِعلامیہ تھا جو کائنات کا حقیقت شناس ہے اور ہم اُس کو رسولِ برحق مانتے ہیں مگر ہماری فلسفہ زدّہ شکی طبیعت اِس اِرشاد کی تاویل وتوجیہہ کرتی رہی اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ یہ حدیث پڑھتے ہوئے ہمیں جھجک ہوئی کہ محققینِ فلسفہ وسائنس ہمیں اَوہام پرست کہیں گے۔(معاذ اللہ)

بیسویں صدی کے سائنس دانوں کو خدا ہدایت نصیب کرے اُنہوں نے خود اپنے اِماموں اور پرانے اُستادوں ''فلاسفہ قدیم'' کی تردید کی، سات سمندر پار واشنگٹن امریکہ سے ایک شخص ریڈیو پر بولتا ہے دُنیا کے ہر گوشے سے اُس کے الفاظ سن لیے جاتے ہیں، کیا بولنے والے کے الفاظ ختم ہوگئے تھے ؟ فنا ہوگئے تھے ؟ ؟ اگر فنا ہوگئے تھے تو یہ فضاء اِن الفاظ سے کیسے بھر گئی ! ! یا بجلی کی لہروں نے اِن الفاظ کو دُنیا کے ہر گوشہ میں کس طرح پہنچا دیا اگر یہ ختم اور فنا ہوگئے تھے ! ! !

تقریر کرنے والے یا بولنے والے کے قریب آپ نے چھوٹا سا آلہ رکھ دیا، آپ کی تمام تقریر اور تمام گفتگو ریکارڈ ہو رہی ہے تقریر کرنے والے کی وفات ہوگئی مگر اُس کی تقریر کا یہ ریکارڈ موجود ہے جب چاہیں آپ سن سکتے ہیں، کیا عجب ہے اِس طرح کی کوئی قوت قدرت نے خود ہماری آنکھ ناک اور ہماری جلد اور بدن کے حصہ میں رکھ دی ہو اور نہ رکھ دی ہوتی تو ہم باہر بھی اِس کا اِدراک کیسے کر سکتے جبکہ ہم میں اِس کیفیت کا شعور ہی نہ ہوتا، اِس لیے ضروری ہے کہ ہم میں یہ کیفیت ہو پس جب ہم میدانِ حشر میں اور محشر کی عدالت میں اپنے کسی قول یا فعل سے اِنکار کریں تو ممکن ہے کہ ہمارے اَعضاء کا یہ مخفی ریکارڈ دفعۃً بجنے لگے اور ہمارا پول کھول دے کَمَا یُشِیْرُ اِلَیْہِ قَوْلُہٗ تَعَالٰی ﴿ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ﴾ (سُورۂ حمٓ سجدہ : ۲۲)

اور ملاحظہ فرمایئے کسی شرارت پسند بدزبان نے یا کسی نیک اور سنجیدہ بزرگ نے غصہ سے بیتاب ہوکر کسی کو گالی دے دی پھر زبان رُک گئی الفاظ ختم ہوگئے فضا میں خاموشی چھا گئی مگر کیا گالی کے الفاظ کی تاثیر بھی ختم ہوگئی۔ایک شاعر نے اپنی عربی زبان میں کہا تھا :

جَرَاحَاتُ السِّنَّانِ لَهَا الْتِيَامُ وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ

'' نیزے کے زخم بھر جاتے ہیں مگر وہ زخم نہیں بھرتا جو زبان نے لگایا ہو ''

فنا میں بقاء جس کی چند مثالیں پہلے گزریں، صرف زبان کے فعل اور زبان کی حرکت تک ہے ؟ یا اِنسان کے ہر فعل کی یہی خاصیت ہے کہ بظاہر ختم ہو جاتا ہے مگر واقعہ اور حقیقت کے لحاظ سے کبھی ختم نہیں ہوتا ہمیشہ باقی رہتا ہے۔ اِتنا تو ہمیں معلوم ہے یعنی ہمارے مشاہدہ کی بات ہے کہ جب تک اِنسان کا سانس باقی ہے عمل کی تاثیر ختم نہیں ہوتی۔

تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ فردوسی نے جب سلطان محمود غزنوی کی فرمائش کے بموجب ساٹھ ہزار شعر کا ''شاہنامہ'' لکھ کر پیش کر دیا تو اوّل تو اپنی قرارداد کے بموجب اِنعام دینے میں محمود غزنوی کو تامل ہوا، بالآخر جب یہ طے کر لیا کہ جو اِنعام فی شعر ایک دینار طے ہوا تھا وہ اَدا کرنا ہے تو اِنعام کی رقم فردوسی کے مکان کی طرف چل رہی تھی اور فردوسی زندگی کے سانس پورے کر کے قبرستان جا رہا تھا اللہ بس باقی ہوس۔ مطلب یہ کہ فردوسی نے جو فعل کیا تھا اُس کی تاثیر نہ صرف اُس کی زندگی کے آخری سانس تک باقی رہی بلکہ اُس کی وفات کے بعد بھی باقی رہی اور کہہ سکتے ہو کہ اِتنی تاثیر آج تک بھی باقی ہے کہ ہر صاحبِ نظر کی نظر میں فردوسی قابلِ اِحترام ہے اور سلطان محمود پر اِعتراض کیا جاتا ہے کہ اُس نے وعدہ پورا کرنے میں پس وپیش کیوں کیا ؟

اچھا جب ہم نے کہا کہ اِنسان ختم ہی نہیں ہوتا، موت فنا نہیں ہے بلکہ اِنتقال ہے ایک عالَم سے دُوسرے عالَم کی طرف تو کیا درست ہوگا کہ ''عملِ انسان'' کو ختم مان لیا جائے اور اِسے منتقل شدہ نہ مانا جائے جس کے اثرات یہاں بھی رہیں اور وہاں بھی ہوں۔ ہاتفِ غیبی وحی کے ذریعہ انسان کو یہی تنبیہ کرتا رہتا ہے اور یہی آگاہی دیتا رہتا ہے ''غافل جس طرح موت سے تیری فنا نہیں ہے، تیرے عمل کو بھی فنا نہیں ہے''۔

یہاں ہم اُن کو نہیں مانیں گے جن کو اِنسانی ترقی اور اِنسانی تنزل کا فرق بھی معلوم نہیں ہے، جن کی ترقی کا اُلٹا اَثر یہ ہے کہ نوعِ انسان دولتِ اِطمینان سے محروم ہے اور جیسے جیسے ترقی کی رفتار تیز ہو رہی ہے بے اِطمینانی اور آپس کی بے اعتمادی بڑھ رہی ہے، خوف و ہراس کی وباء پھیل رہی ہے اِنسان کو اِنسان سے نفرت ہو رہی ہے اور جذباتِ عداوت میں بحران پیدا ہو رہا ہے دعوی ہے دانشمندی

اور ہمہ دانی کا مگر دانشوری یہ ہے کہ خود اپنی خبر نہیں کہ وہ کیا ہیں۔

باہمہ ذوقِ آگہی ، ہائے رے پستیِ بشر
سارے جہاں کا جائزہ ، اپنے جہاں سے بے خبر
(جگر مرادآبادی)

ایک صاحب فرماتے ہیں اور صحیح فرماتے ہیں :

نور و نار بھی شامل ہے ، سوز و ساز بھی داخل ہے
جانے کیا کیا ترکیبیں ہیں اَجزائے اِنسانی میں
یہ کھٹکا سا ہے کیا ، آخر جس کے سہارے جیتا ہوں
حالِ دُنیا معلوم ہو کیا ، جب حالِ دل معلوم نہیں
(گوپی ناتھ امن)

ایک دانشمند کے خیال میں دانشوری یہی ہے کہ نادانی کا اِعتراف کیا جائے۔

تا بدانجا رسید دانش من کہ بدانم ہمی کہ نادانم
(ابوشکور بلخی)

یہاں ہم صرف اُن کی بات مانیں گے جن کے متعلق دُنیا کے دانشور اور دانشمند مانتے ہیں کہ قدرت نے اُن کو پیدا ہی اِس لیے کیا تھا کہ وہ اِنسان کو آگاہ کریں کہ اِنسانیت کیا ہے ؟ آدمیت کسے کہتے ہیں، اُس کا کیا مقصد ہے اور وہ کیا فرائض ہیں جو اُس پر عائد ہوتے ہیں ؟ دُنیا میں ہر فن کے ماہر ہوتے ہیں اُس فن سے اُن کو دلچسپی ہوتی ہے اور اُن کا نشو ونما اِبتداء سے ایسا ہوتا ہے جو اُس فن کے مناسب ہوتا ہے۔ اِنسانیت کی تشخیص، اِنسانیت کا بناؤ سنوار یہ بھی ایک فن ہے، ہر ملک اور ہر قوم میں اِس کے ماہر گزرے ہیں، اُنہوں نے اِنسان کو پہچانا، اِنسانیت کو پہچانا، اُس کی خوبیوں اور خرابیوں کو معلوم کیا، خوبیوں کو بڑھانے اور خرابیوں کو دُور کرنے کی ترکیبیں بتائیں، نسخے اِیجاد کیے، مذہب کی زبان میں اُن کو ''نبی'' کہتے ہیں، ہم اُن سب کا اِحترام کرتے ہیں۔

یہ مسئلہ ہم اُن سے دریافت کریں گے کہ عمل کا تعلق عمل کرنے والے سے کیا ہوتا ہے، وہ ختم ہونے والی چیز ہے یا پتھر کی لکیر ہے جو جوہر اِنسان پر کندہ ہو جاتی ہے، کیا عمل کا بھی ایک عالَم ہے اور جس طرح ہمارے الفاظ فضاء میں پھیلے ہوئے ہیں اور اپنا وجود رکھتے ہیں یہ عمل بھی اپنی خصوصیات اور تاثرات کے ساتھ اپنا وجود رکھتے ہیں ؟ رُوحانیت کے ماہرین اور شرافت واِنسانیت کے اُن فنکاروں نے جن کو ''نبی'' کہا جاتا ہے بالاتفاق ایک ہی بات بتائی تھی مگر اُن کی بتائی ہوئی باتیں لوگوں کو یاد نہیں رہیں کیونکہ اُنہوں نے اُن کو اپنے زمانہ میں لکھوایا نہیں تھا اور اگر کسی نے کچھ لکھوا دیا تھا تو وہ گم ہو گیا یا جس زبان میں لکھوایا ہوگا وہ زبان محفوظ نہیں رہی ہاں ایک چیز بالکل محفوظ ہے اُس کو اُسی وقت لکھوا دیا گیا تھا جب اُس کا نزول ہوا تھا لکھوانے کے ساتھ یاد بھی کرا دیا تھا چنانچہ وہ اِبتداء سے لے کر آج تک صحیفوں اور تحریروں میں بھی محفوظ چلا آتا ہے اور لاکھوں کروڑوں اِنسانوں کے سینوں میں بھی اُسی طرح محفوظ ہے، یہ قرآنِ حکیم ہے جو صرف جنابِ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کا مجموعہ نہیں بلکہ اُن تمام مقدس اِنسانوں کی تعلیمات کا محفوظ مجموعہ ہے جو رُوحانیت کے ماہر اور اِنسانیت کے معلم بن کر دُنیا میں آئے، وہ دُنیا سے الگ رہتے ہوئے دُنیا والوں کی اِصلاح کرتے رہے، نوعِ اِنسان کی درستی اور اِنسانیت کے سدھار میں اُنہوں نے اپنی پاک زندگیاں صرف کیں اُن مقدس اور پاک بزرگوں نے جو بتایا وہ عقل سے بعید بات نہیں بلکہ رات دن کا ہمارا مشاہدہ ہے ہم دیکھتے ہیں تجربہ کرتے ہیں مگر غور نہیں کرتے۔

مشاہدہ :

اِس سے کون اِنکار کر سکتا ہے کہ اِنسان جس طرح مختلف عناصر کا مجموعہ ہے اِسی طرح اُس کے ذہن اور دماغ کا چھوٹا سا سوٹ کیس یا فائل بکس بہت سی صلاحیتوں کا سیف وخزانہ ہے، ہر ایک صلاحیت اپنے اپنے خانہ میں سجی ہوئی ہے، اِنسان جس چیز کو بڑھانا چاہے بڑھا سکتا ہے، بڑھانے والی چیز پریکٹس ہے (مشق یعنی مسلسل عمل) مشق سے پہلے تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے مگر تعلیم صلاحیت کو بڑھاتی نہیں اُس کو بیدار کرتی ہے اور اُس کا رُخ اور راستہ مقرر کر دیتی ہے۔ ریت اور کنکریوں سے کھیلنے

والا بچہ بڑا ہوا تو وہ طبیب حاذق یا ڈاکٹر تھا، اُس کی فطرت میں ایک صلاحیت تھی تعلیم نے اُس کو بیدار کیا چمکایا اُس کو طبابت اور ڈاکٹری کے راستہ پر لگایا اور رات دن کی مشق اُس کی صلاحیت کو پختہ کر دیتی ہے مرض کی تشخیص کر کے وہ نسخہ تجویز کرتا ہے مریض شفایاب ہوتا ہے اور اُس کا تجربہ بڑھتا ہے اور صلاحیت پختہ ہوتی ہے یہاں تک کہ طبابت اُس کا مزاج بن جاتی ہے۔

رب اور پروردگار کا اِعتراف فطری جوہر ہے تعلیم نے اُس کو روشن کیا پھر تعلیم پر اُس نے عمل کیا تو یادِ خدا اُس کی طبیعتِ ثانیہ بن گئی اور وہ ایسا ہو گیا کہ دُنیا والے اُس کو دیکھتے ہیں تو اُن کو بھی خدا یاد آجاتا ہے، جلاّد کو جب پہلی مرتبہ قتل کرنے یا پھانسی پر چڑھانے کا حکم دیا گیا تو اُس کو بہت جھجک ہوئی گویا خود اُس کو پھانسی دی جارہی ہے لیکن جب یہ عمل بار بار کیا گیا تو جھجک کے بجائے اُس کو مزا آنے لگا اُس کی طبیعت جلاّد بن گئی اور اَب اُس کی صورت دیکھتے ہیں تو خوف معلوم ہوتا ہے۔

دُنیا کے اِن تمام مقدس بزرگوں نے جن کو نبی کہا جاتا ہے یہی بتایا ہے کہ اِنسان کا کوئی عمل رائیگاں نہیں جاتا وہ اِنسان کی صلاحیت پر اَثر ڈالتا ہے اور اُس کو اپنے رنگ میں رنگ دیتا ہے، اچھے عمل کرنے والا اِنسان اچھا ہو جاتا ہے، برے عمل کرنے والا اِنسان برا بن جاتا ہے، جیسا بوتا ہے ایسا ہی پھل پاتا ہے، ببول کے بیج بو کر اَنگور کے خوشوں کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

گندم اَز گندم بروید جو ز جو — اَز مکافاتِ عمل غافل مشو[۱]

عمل اور رُوح کا رابطہ، ماہرینِ رُوحانیت کا فیصلہ :

ہم شکر گزار ہیں سائنس جدید کے اُس نے مشاہدہ کرا دیا[۲] کہ ہماری زبان اور ہمارے ہونٹوں کا عمل فنا نہیں ہوتا یعنی جو الفاظ زبان اور ہونٹوں کی حرکت سے صادر ہوتے ہیں وہ فناء نہیں ہوتے اُن کا وجود قائم رہتا ہے، ٹیلی ویژن نے مشاہدہ کرا دیا کہ ہاتھ پاؤں کے عمل اور اُن کی حرکت

---

۱ ترجمہ : گندم سے گندم پیدا ہوتی ہے جو سے جو، عمل کی مکافات سے غافل نہ ہو۔

۲ یعنی جس پر اپنے ہی مشاہدوں کے ذریعہ اپنے ہی غلط اَفکار کا بطلان واضح ہو گیا مگر ہٹ دھرمی اِس درجہ کہ حق کو تسلیم کرنے کی توفیق نہ ہوئی بس ایک چپ سادھ رکھی ہے۔ محمود میاں غفرلہٗ

بھی اپنا وجود رکھتی ہے اِس وجود کا عکس بھی پڑتا ہے پس ہمارا یہ خیال یقیناً غلط ہے کہ عمل کا اپنا وجود کچھ نہیں ہے بلکہ تحقیق یہ ہے کہ عمل اپنا ایک وجود رکھتا ہے۔

سائنس کا جہل :

محققینِ سائنس یہ نہیں بتا سکے کہ اِس وجود کا تعلق جس طرح فضاء سے ہے آیا ہماری باطنی قوتوں اور ہماری اُس حقیقت سے بھی اِس کا کچھ تعلق ہے جس کو رُوحانیت سے تعبیر کیا جاتا ہے جو موت پر فناء نہیں ہوتی بلکہ ایک نئی زندگی اِختیار کر لیتی ہے ؟ سائنس کے اَصحابِ تحقیق شاید اِس سوال کا جواب آئندہ بھی نہ دے سکیں ! ! کیونکہ رُوح رُوحانیت اور مابعد الموت اُن کا موضوع نہیں ہے اُن کا موضوع وہ مادّہ ہے جو عالَمِ مشاہدہ میں اِس وقت موجود ہے لیکن ہمارا وجدان شہادت دیتا ہے کہ عمل کے وجود کا تعلق ہماری رُوحانیت سے یقیناً ہے اور بہت گہرا تعلق ہے، ہمارا عمل خود ہمارے اَندر کبھی مسرت اور خوشی کی لہر دوڑا دیتا ہے اور ہماری رُوح کو مطمئن کر دیتا ہے اور کبھی ہمارا عمل ہمارے اَندر غم، پریشانی اور اِضطراب و بے چینی کا طوفان بر پا کر دیتا ہے، اگر عمل کا تعلق رُوحانیت اور اُن معنوی قوتوں سے نہیں ہے جو ہمارے اندر موجود ہیں تو پھر اِس اِضطراب و بے چینی یا سکون اور اِطمینان کی وجہ کیا ہے ؟ ؟ اور ایسا کیوں ہوتا ہے کہ کسی عمل پر ہم مسرور اور مطمئن ہو جاتے ہیں اور کسی پر ہم پچھتاتے اور غمگین ہوتے ہیں یہاں تک کہ بیمار پڑ جاتے ہیں۔

رُوحانیت کے وہ ماہر جن کی پیدائش ہی اِس لیے ہوتی ہے کہ وہ رُوحانیت کی باتیں بتائیں چنانچہ شروع ہی سے اُن پر رُوحانیت کا غلبہ یہاں تک رہا کہ کبھی اُن سے رُوحانیت اور سچائی اور اعلیٰ اَخلاق کے خلاف کوئی فعل سرزد نہیں ہوا، جن کی فطری بیداری اور قدرتی فکر و بصیرت کا یہ عالَم رہا کہ کبھی کسی نے کسی کالج یا یونیورسٹی میں تو کیا کسی مکتب اور پرائمری اسکول میں بھی تعلیم نہیں پائی اور اِس کے باوجود اُنہوں نے نوعِ انسان کو وہ سبق دیے کہ اُن کی بنیاد پر اعلیٰ اَخلاق، شریفانہ کردار، اِنسانیت کی فلاح و بہبود اور اَمنِ عالَم کے بنیادی اُصول مرتب کیے گئے جن کو اَقوامِ عالَم نے ضابطۂ حیات بنایا اور دُنیا کے دانشوروں نے اُن سے ہر طرح کے قانون اَخذ کیے، یہ اعلیٰ اَخلاق و کردار کے حامل

رُوحانیت کے اعلیٰ ترین ماہر جن کو ''نبی'' کہا جاتا ہے وہ بہت پہلے سے بلکہ ہمیشہ سے یہی بتاتے رہے ہیں کہ ہر عمل ایک وجود رکھتا ہے اُس کی خاصیتیں ہوتی ہیں اور اُس کے اَثرات ہوتے ہیں جو عمل کرنے والے کی رُوحانیت سے پیوست ہوجاتے ہیں۔

ہمارے وجدان کی شہادت یہ ہے کہ عمل کی طرح ہماری خصلتوں کا بھی وجود ہے اِسی لیے اُن کے اَثرات چہرے پر نمایاں ہوتے ہیں، رحمدل کا چہرہ اُس کے دردِ دل کی شہادت دیتا ہے، جفا کار اور سنگدل کو آپ اُس کے چہرے سے پہچان لیتے ہیں، اگر وفا اور جفا کا کوئی اپنا وجود نہیں ہے تو چہرے پر یہ آثار کیسے ہیں ؟ اِسی اصول کو اور آگے بڑھایئے بخل اور سخاوت فطرت اِنسان کی دو خصلتیں ہیں یا دو وصف ہیں، اُن کی کچھ خصوصیات ہیں کچھ لوازم و تاثیرات ہیں، ''بخل'' کے لیے حرص، طمع، تنگ نظری، خودغرضی، بزدلی، بے رحمی اور سنگدلی لازمی صفات ہیں جن کے نتیجہ میں ذخیرہ اَندوزی، چور بازاری، رشوت، خیانت اور سود جیسے زہریلے جراثیم پیدا ہوتے ہیں جو عوام کی خوشحالی کو ڈستے ہیں اور اُن میں بے اِطمینانی اور پریشان حالی کا زہر پھیلا دیتے ہیں۔

بخل کے مقابلہ پر ''سخاوت'' ہے جو دل کی بہادری اور حوصلہ کی بلندی چاہتی ہے، طبیعت میں بے نیازی پیدا کرتی ہے، دُوسروں کی ضرورتوں کا اِحساس اُن کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم رکھنا سخاوت اور جود و کرم کی اصل رُوح ہے، یہ رُوح کارفرما ہوتی ہے تو ہمدردی، غمخواری، رحم اور خدمتِ خلق کے جوہر جلوہ گر ہوتے ہیں یعنی اِنسانیت کا جو بن نکھرتا ہے شرافت کا جھنڈا بلند ہوتا ہے میل ملاپ اور محبت کی فضاء ہموار ہوتی ہے، سخاوت اگر کارفرما ہو تو طبقاتی جنگ کی نوبت نہیں آتی کیونکہ دولتمند طبقہ ہمدرد و غمگسار ہوتا ہے اور غریب و نادار اُس کے وفادار اور جاں نثار ہوتے ہیں اور اِس طرح ایک ایسا نظم و ضبط قائم ہوجاتا ہے جو فطرتِ اِنسانی کے عین مطابق ہوتا ہے جو معاشرہ اور سماج کو اِطمینان کی دولت بخشتا ہے جس میں ایک دُوسرے سے نفرت اور بغض نہیں بلکہ محبت اور باہمی اعتماد کی نعمت میسر آتی ہے اور جب محبت اور اعتماد و تعاون کی کلیاں چٹختی ہیں تو معاشرہ اور سماج رواداری اور شریفانہ اَخلاق کا گلدستہ بن جاتا ہے، ہر ایک مذہب اِسی تہذیب کی حمایت کرتا ہے اور یہی تہذیب بہیمیت اور حیوانیت

کو کچلتی ہے اور شرافت و آدمیت کو سربلند کرتی ہے جس سے رب العالمین کی نیابت و خلافت کی صحیح تصویر سامنے آتی ہے اور دُنیائے پُرمحن جنت نشان بن جاتی ہے۔

اَنبیاء علیہم السلام اِس عالَم مشاہدہ (کائنات) کے پس منظر سے بھی واقف ہوتے ہیں اور اُس کا مستقبل بھی اُن کی دقیقہ رس نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے، جماعتِ اَنبیاء کے قائد اعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے عمل و کردار اور اُن کی تاثیرات و خصوصیت کے فلسفہ کو سامنے رکھ کر ہمیں آگاہ کیا ہے کہ جس طرح بخل کے نتائج یعنی ذخیرہ اَندوزی، اَفراطِ زر کی ہوس اور سُود وغیرہ اِنسانوں کی خوشحالی کو ڈستے ہیں تو اُس کا اَثر یہی ہوگا کہ وہ سرمایہ جو بخل کا معمل ہے خود ایک اَژدھا بن جائے گا جو صاحبِ دولت کے گلے کا طوق بن کر اُس کی باچھیں پکڑے گا اور کہے گا کہ میں ہوں تیرا مال، میں ہوں تیری دولت۔

پچھلے برسوں میں جب چین نے ایک ایٹم بم کا تجربہ کیا تھا تو کروڑوں اَربوں اِنسانوں میں صرف چند ہی اَفراد تھے جن کو یہ مہارت حاصل تھی کہ اُنہوں نے اِس ریڈیائی خاک کو محسوس کرلیا تھا جس کے متعدی اَثرات اِنسان کی ہڈیوں تک پہنچ سکتے ہیں اور اُن میں کینسر پیدا کر سکتے ہیں، ہم نے اُن کی تکذیب نہیں بلکہ اُن کا شکریہ اَدا کیا ! تو کیا ہمارا فرض نہیں ہے کہ ہم رُوحانیت کے اُن مقدس ماہرین کا شکریہ اَدا کریں جنہوں نے ہمیں بخل کی اِس تاثیر سے آگاہ کیا اور ہمیں متنبہ کر دیا کہ یہ سنہرا رُوپہلا[1] سرمایہ اَژدھا بن جائے گا اگر اِس پر بخل کا عمل ہوتا رہا۔

سرمایہ ختم کیا جائے یا بخل :

اِسلام اِس حقیقت سے آنکھ بند نہیں کرتا کہ دولت صرف ایک معمل یا ایک آلہ ہے، اصل چیز دولت نہیں ہے بلکہ عمل اصل ہے، چشمہ شیریں کے پانی سے آپ لالہ زار کو شاداب کر کے سنبل و ریحان کے تختے اور خیابان بھی تیار کر سکتے ہیں اور خارستان کے خاردار جھاڑیوں کو بھی دھاردار اور نوکیلے بنا سکتے ہیں، نتیجہ کا تعلق آپ کے عمل سے ہے، معمل یعنی چشمہ کے پانی سے نہیں ہے۔ بس اِصلاح یہ نہیں ہے کہ آپ چشمہ کو خشک کر دیں یا اُس کے پانی کو لالہ زار کے بجائے کسی خندق میں بہا دیں، اِصلاح یہ ہے

---

[1] چاندی کا بنا ہوا، مطلب سونے چاندی کا سرمایہ

کہ کانٹوں سے نفرت دلائیں اور گل وغنچہ کی محبت بڑھائیں، اِسلام اِصلاح کی یہی صورت اِختیار کرتا ہے، وہ جو دوسخا کے چمن وگلشن کو اِتنا بڑھاتا ہے کہ خارستانِ بخل ختم ورنہ زیادہ سے زیادہ تنگ ہوجائے، نہ صرف اِسلام بلکہ ایشائی تہذیب کا اُصولی سبق یہی ہے وہ سخاوت اور جودوکرم کو اِنسانیت کا سب سے بہتر جوہر اور بخل کو لعنت اور سراسر لعنت قرار دیتی ہے۔

سخاوت مس عیب را کیمیا ست
سخاوت ہمہ دردہا را دوا ست [۱]
(شیخ سعدیؒ)

سخیاں زا موال برمے خورند
بخیلاں غمِ سیم و زر مے خورند
نیرزد بخیل آن کہ نامش بری
وگر روزگارش کند چاکری [۲]

بخل اور نفع اَندوزی کا مقام اور راستہ :

لیکن قرآنِ حکیم جو خالقِ فطرت کا کلامِ پاک ہے وہ اِسی پر قناعت نہیں کرتا کہ بخل کی مذمت اور سخاوت کی تعریف کردے، وہ جس طرح سخاوت و بخل کی خصوصیات سے واقف ہے وہ اِنسانی نفسیات سے بھی باخبر ہے، صرف منفی پہلو پر اُس کی نظر نہیں رہتی وہ مثبت کے اثبات کو سامنے لاتا ہے اور اُسی کو بڑھانے اور مضبوط کرنے کی تعلیم دیتا ہے، کوئی تعلیم جس کی بنیاد حقائق پر ہو اِس کو نظر اَنداز نہیں کرسکتی کہ بخل اور ذاتی مفاد کی حرص وطمع اگرچہ قبیح اور قابلِ نفرت ہے مگر اِنسان کی فطرت میں لامحالہ داخل ہے اور اُس کا جزو ہے، اِسی کا تقاضا ہوتا ہے کہ اِنسان سخت سے سخت محنت کرتا ہے اور

---

[۱] ترجمہ : سخاوت عیب دار تانبے کے لیے کیمیا ہے، سخاوت تمام دردوں کی دوا ہے۔

[۲] ترجمہ : سخی اپنے مال سے فائدہ اُٹھاتے ہیں بخیل سونے چاندی کا غم کھاتے ہیں، بخیل آدمی اِس قابل نہیں کہ اُس کا نام لیا جائے اگرچہ سارا زمانہ اُس کا غلام ہوجائے۔

منفعت حاصل کرتا ہے اگر ذاتی مفاد کے حرص کی جڑیں بالکل اُکھاڑ دی جائیں تو محنت و مشقت کا سلسلہ بھی ختم ہو جائے گا اور اِنسانیت ترقی کی تمام منزلوں سے محروم ہو جائے گی، جو تعلیم اِنسانی فطرت کی اِس خصوصیت کو نظر اَنداز کر کے حرص اور ذاتی مفاد کے شوق کو جڑ سے اُکھاڑ دیتی ہے اُس کو تعلیمِ فطرت اور اُس دین کو دینِ فطرت نہیں کہا جا سکتا جو اِس طرح کی تعلیم کا معلم ہو، اِسلام ذاتی مفاد کے طبعی شوق کو ختم نہیں کرتا اَلبتہ اُس کو حقیقت پسند بناتا ہے۔ ذاتی مفاد کا شوق دولت کی صرف حفاظت پر ہی آمادہ نہیں کرتا بلکہ اُس کی عمر کو زیادہ سے زیادہ طویل کرنا چاہتا ہے اور اُس کی آخری منشا یہ ہوتی ہے کہ اُس کی دولت ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے وہ ایک لازوال نعمت بن جائے جس کو زمانہ کی کوئی گردش فناء نہ کر سکے۔

قرآنِ حکیم اِسی نقطہ کو سامنے رکھتا ہے اور فناء و بقاء کے فلسفہ کو ذہن نشین کرا کے اِس حقیقت کا یقین پیدا کراتا ہے کہ دولت کا بقاء تجوریوں میں بند کرنے اور زمین دوز خزانوں میں دفن کرنے سے نہیں ہوتا بلکہ اِس کے بقاء کی صورت یہ ہے کہ اِس پر اِنْفَاقٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہْ کا عمل زیادہ سے زیادہ کیا جائے بینک بیلنس آپ کا کتنا ہی زیادہ ہو اُس کی بقاء اور بچت زیادہ سے زیادہ اُس وقت تک ہے جب تک آپ میں لکھنے پڑھنے یا بولنے چالنے کی طاقت ہے، اِس بچت کو آپ مابعد الموت کی زندگی کے لیے بھی محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو اِس کو بینک کے کھاتہ میں نہیں بلکہ اپنے نامۂ اَعمال کے رجسٹر میں مدِ خیر کے کھاتہ میں جمع کرائیے، جو فنڈ تمہاری حفاظت میں ہے اُس کو بقاء نہیں، بقاء اُس کو ہے جو محافظِ حقیقی کی حفاظت اور اُس کی نگرانی میں ہے ﴿مَا عِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ بَاقٍ﴾[1] ''جو تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے یہاں ہے وہ باقی ہے وہ دائم و لازوال ہے۔'' یہ ہے فناء میں بقاء کا فلسفہ۔

آپ بینک میں رقم ڈیپازٹ کراتے ہیں کہ رقم محفوظ رہے اور اُس کا اِنٹرسٹ (سود) آپ کو ملتا رہے لیکن یہ ڈیپازٹ رقم آپ کی کب تک ہے ؟ اپنی دانست میں آپ نے بڑی دُور اَندیشی سے کام لیا کہ زندگی کا بیمہ کرا دیا مگر کیا یہ بیمہ قضاء و قدر کے فیصلہ میں کوئی تبدیلی کر سکتا ہے ؟

عدالت نے کسی کو دیوالیہ قرار دے دیا ہے تو وہ کسی وقت دولتمند بھی بن سکتا ہے لیکن جس کو

[1] سُورۃ النحل : ۹۶

قضاء وقدر نے دیوالیہ قرار دے دیا جو دُنیا سے خالی ہاتھ رُخصت ہوا وہ کبھی دولتمند نہیں بن سکتا اَلبتہ اگر آپ نے قرآنِ حکیم کے اُصول پر اپنی زندگی کا بیمہ کرالیا ہے تو اب آپ کی دولت پر کبھی زوال نہیں آسکتا یہ دولت دن بدن بڑھتی رہے گی۔

﴿ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا ﴾[1]

''اور جو آگے بھیجو گے اپنے واسطے کوئی نیکی اُس کو پاؤ گے اللہ کے پاس بہتر اور ثواب میں زیادہ۔''

ڈیپازٹ رقم پر آپ کو چار پانچ فیصدی سود ملتا ہے لیکن جو رقم آپ فی سبیل اللہ کے بینک میں جمع کراتے ہیں اُس کے نفع کی کوئی اِنتہاء نہیں ہے، قرآنِ حکیم یہاں بھی فلسفۂ اِرتقاء جاری کرتا ہے قرآنِ حکیم کی وضاحت یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کے بینک میں جو رقم جمع کی جاتی ہے اُس کو صرف کھاتہ میں درج نہیں کردیا جاتا بلکہ ایسا ہوتا ہے کہ اُس کو تخم بنا کر ایک زرخیز کشت زار[2] میں بو بھی دیا جاتا ہے زرخیز زمین میں گیہوں کی ایک نال پر سات بالیں آجاتی ہیں اور ایک ایک بال (خوشہ) میں سو سو دانے ہوتے ہیں، تو ایک دانہ سے سات سو دانے ہوجاتے ہیں یعنی اِنٹرسٹ (نفع) ستر ہزار فیصد ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اِس سے بھی زیادہ بڑھا دیتا ہے (سورۂ بقرہ) لیکن شرط یہ ہے کہ دولتمند جو اِمداد کرے اُس میں خودغرضی کا شائبہ تک نہ ہو یہاں تک کہ اُس کو کبھی زبان پر بھی نہ لائے جس سے غریب اور ضرورت مند کو کمتری کا اِحساس ہو یا کوئی ذہنی اور دماغی کوفت ہو، قرآنِ حکیم نے تنبیہ کردی ہے کہ

''جو شخص اپنا ذاتی مفاد سامنے رکھتا ہے یا اِحسان جتانے کے لیے اُس کو زبان پر لاتا ہے وہ اپنے عمل کو خود برباد کردیتا ہے، اِس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے اُس مٹی میں بیج بودیا جو کسی چٹان پر جم گئی تھی بارانِ رحمت کی بوندیں جو کشت زار میں تخم کو نشوونما بخشتی ہیں اُن کا عمل یہاں یہ ہوتا ہے کہ وہ چٹان کے اُوپر سے مٹی بہادیتی ہیں ساتھ ساتھ یہ بیج بھی بہہ جاتے ہیں اور صرف چٹان سامنے رہ جاتی ہے۔'' (سورۂ بقرہ)

---

[1] سُورہ مزمل : ۲۰ [2] کھیتی، ہرا بھرا کھیت

خلاصہ اور موازنہ :

گفتگو بہت طویل ہوگئی اَب اِس کا خلاصہ ملاحظہ فرمایئے اور دُنیا کے دُوسرے نظاموں اور اِزموں سے موازنہ بھی کیجیے۔

(۱) سرمایہ داری کا دشمن اِسلام بھی ہے، اِس کو سرمایہ داری سے اِنتہائی نفرت ہے وہ اِس کو ختم کرتا ہے اور اِسلام کے اُصول پر جو نظام قائم ہو اُس کا پہلا فرض قرار دیتا ہے کہ وہ سرمایہ داری کو ختم کردے مگر وہ سرمایہ داری کے خاتمہ کو پورے نظامِ حیات کا ایک جزء قرار دیتا ہے، اُس کا یہ تصور نہیں ہے کہ اِنسانی زندگی کی فلاح و بہبود اور اُس کی کامیابی صرف سرمایہ داری کے خاتمہ میں منحصر ہے خواہ وہ کسی صورت سے ہو۔

(۲) اِسلام کو جس طرح سرمایہ داری سے نفرت ہے اِس کو معاشرہ اور سماج کی دُوسری برائیوں سے بھی نفرت ہے، اِسی طرح وہ تخریب اور فتنہ وفساد کو بھی گوارا نہیں کرتا، وہ جس طرح مزدور اور غریب کے حق میں ظلم کو حرام اور ناقابلِ برداشت جرم قرار دیتا ہے اِسی طرح اُن کے حق میں بھی کسی طرح کا ظلم روا نہیں رکھتا جن کو سرمایہ دار یا دولتمند کہا جاتا ہے، وہ ہر ایک کے حق میں عدل اور اِنصاف کو ضروری قرار دیتا ہے۔

(۳) اور ایسے تمام پروگرام اِسلام کی نظر میں ناقابلِ برداشت ہیں جن سے اَمیر اور غریب یا سرمایہ دار اور مزدور کے درمیان طبقاتی جنگ یا باہمی نفرت پیدا ہو۔

(۴) وہ اِنسانیت کے رشتہ کو سامنے رکھ کر سب سے پہلے دولتمند کے اُن جذبات کو بیدار کرتا ہے جن کو اِنسانیت کی خصوصیات قرار دیا جاتا ہے، دُوسروں کی ضرورت کو محسوس کرنا اور اپنی ضرورت اور کم اَز کم اپنے مفاد پر دُوسرے کی ضرورت کو مقدم رکھنا اِس کو ''اِیثار'' کہا جاتا ہے، حیاتِ اجتماعی کی فلاح و بہبود اور ترقی کے سلسلہ میں ''جذبۂ اِیثار'' بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے، اِسلام سب سے پہلے اِس جذبہ کو پیدا کرتا ہے اِس کے آداب ولوازمات کی تعلیم دیتا ہے۔

(۵) اِنسان کو خود اپنی حقیقت نیز حیات بعد الموت اور فناء و بقاء کے فلسفہ کو ذہن نشین کرا کر سرمایہ دار اور دولتمند کو یقین دلاتا ہے کہ غریب اور ضرورت مند کی اِمداد خود اُس کی اپنی اِمداد ہے، ضرورت مند کی اِمداد کر کے یا قومی ضرورتوں میں رقم خرچ کر کے اُس نے اِحسان ضرور کیا ہے مگر اِس کا نفع دُوسروں سے زیادہ خود اُس کو پہنچ رہا ہے، اگر بخل کر رہا ہے تو خود اپنے حق میں بخل کر رہا ہے قرآنِ حکیم کی چند آیتوں کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے غور فرمایئے :

''دیکھو (سنتے ہو) تم کو بلایا جا رہا ہے کہ خرچ کرو اللہ کی راہ میں پھر تم میں سے کچھ ہیں کہ بخل کرتے ہیں (نہیں دیتے) تو یاد رکھو جو بخل کر رہا ہے وہ بخل کر رہا ہے خود اپنے آپ سے، اللہ بے نیاز ہے ضرورت مند اور محتاج خود تم ہی ہو۔'' (قومی اور ملی ضرورتیں خود تمہاری ضرورتیں ہیں جن کا مفاد خود تمہیں پہنچے گا خدا کو اِس کی حاجت نہیں)۔ (سورۂ محمد آیت ۳۸)

(۶) بخل، خود غرضی، حرص، طمع، حسد، کینہ اور بغض کا تعلق اگر چہ اَخلاق سے ہے لیکن نظامِ اِقتصادی اور حیاتِ اجتماعی پر اِن کا اَثر دُور رس ہوتا ہے اِسلام اِن سب کو حرام قرار دیتا ہے، یہ علتیں ختم کی جائیں اور اِن کی جگہ وسعتِ نظر، فراخدلی، باہمی تعاون، نوعِ اِنسان کی ہمدردی کے جذبات اِسی طرح اُبھارے جائیں کہ چور بازاری، رشوت، خیانت وغیرہ کے اِنسداد کے لیے قانون کی ضرورت نہ ہو بلکہ خود دولتمند اور صاحبِ اِقتدار کے اندر وہ جذبہ پیدا ہو جو اَفراطِ زر اور ناجائز نفع اَندوزی کی اُمنگ ختم کر دے، اِسلام یہ لائحہ عمل اِختیار کرتا ہے اور اِسی کی تعلیم دیتا ہے۔

(۷) خدا کا تصور اور پاداشِ عمل کا یقین اگر چہ کسی سیاسی یا اِقتصادی نظام کا جزو نہیں بن سکتا لیکن اِس حقیقت سے بھی اِنکار نہیں ہو سکتا کہ اَذعان و یقین کی کیفیت درست اور اُستوار نہ ہو تو قانون کی اِفادیت بھی مکمل نہیں ہو سکتی، اِس لیے اِسلام سب سے پہلے نہاں خانۂ دل کو تصورِ خدا سے منور کرنا ضروری سمجھتا ہے، وہ جرائم پیشہ کہلاتے ہیں جو پولیس کے خوف سے جرم نہیں کرتے اور نفاق برتتے ہیں ظاہر و باطن ہر ایک حالت میں جرائم سے وہ بچتا ہے جو خدا سے ڈرتا ہے، دلوں میں خدا کا خوف ہو،

سیاسی اور اِقتصادی نظام کا رشتہ اعلیٰ اَخلاق سے مربوط ہوتو وہ سماج وجود میں آسکتا ہے جس کے لیے اِنسانیت بے تاب ہے اور ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی ہے۔

اب آپ دُنیا کے دُوسرے نظاموں پر نظر ڈالیے جو رائج الوقت ہیں وہاں اَخلاق کا کوئی سوال نہیں، سماج کی اِصلاح شورِ بے ہنگام ہے۔ دل خوفِ خدا سے خالی، تصورِ خدا سے بغاوت، جہاں اَینٹی گاڈ خلافِ خدا انجمنیں قائم کی جائیں وہاں نتیجہ یہی ہوگا کہ درندگی کا بول بالا ہوگا، اِنسانیت ختم ہوگی اور تقسیم کرنے والے بھیڑیے ہوں گے اگرچہ اُن کی صورتیں اِنسانوں جیسی ہوں گی۔ (معاذ اللہ)

۞ ۞ ۞

بقیہ : درسِ حدیث

اِس حدیث شریف میں عَسٰی اور لَعَلَّكَ اِستعمال ہوئے ہیں اِن کا ترجمہ پسندیدہ کام میں ''اُمید'' کے معنی ملحوظ رکھ کر کرنا چاہیے اور ناپسندیدہ چیزوں میں ''ڈر'' کے معنی ملحوظ رکھ کر۔ رسالت مآب ﷺ کو چونکہ دُنیا سے رُخصت ہونا اور لقاء اللہ پسند تھی اِس لیے یہاں ترجمہ ''اُمید'' سے بھی ہوسکتا ہے۔

(بحوالہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۳ر مئی ۱۹۶۸ء)

۱۱ر شوال المکرّم/ ۱۶ر جولائی سے جامعہ مدنیہ جدید میں نئے تعلیمی سال کے داخلے شروع ہوئے اور کثیر تعداد میں طلباء کی آمد شروع ہوگئی، اِسی روز سے تعلیم کا آغاز ہوگیا، والحمدللہ۔ (اِدارہ)

﴿ سلسلہ نمبر : ۴ ﴾

''خانقاہِ حامدیہ'' کی جانب سے اَنوارِ مدینہ میں شیخ الاسلام حضرت اَقدس مولانا سیّد حسین اَحمد مدنی قدس سرہ العزیز کی تقاریر شائع کرنے کا اہتمام کیا جا رہا ہے حضرتؒ کے متوسلین و خدام سے اِلتماس ہے کہ اگر اُن کے پاس حضرتؒ کی تقاریر ہوں تو اِدارہ کو اِرسال فرما کر عندالناس مشکور اور عنداللہ ماجور ہوں۔ (اِدارہ)

جمعیۃ علماءِ ہند کے اِجلاسِ سورت میں آخری اِرشادات

﴿ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین اَحمد صاحب مدنیؒ ﴾

۲۲/۲۳/۲۴/ ربیع الاوّل ۱۳۷۶ھ/ ۲۷/۲۸/۲۹/ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو جمعیۃ علماءِ ہند کا اُنیسواں اِجلاسِ عام ''سورت'' میں منعقد ہوا یہ جمعیۃ علماءِ ہند کا آخری اِجلاس تھا جس کو حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت کا شرف حاصل ہوا، اِجلاس کے خاتمہ پر ۲۴/ ربیع الاوّل ۱۳۷۶ھ کی شب کو ساڑھے گیارہ بجے حضرتؒ نے جو تقریر فرمائی اُس کے آخری فقرے یہ تھے (اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہ ہم اِن کو ہمیشہ یاد رکھیں اور اِن پر عمل کریں)۔

میرے بزرگو ! اصل ترقی رسول اللہ ﷺ کی اِتباع ہے اگر آپ دامنِ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑتے ہیں اور آپ کی اِتباع سے منہ موڑتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کا کوئی وعدہ آپ سے نہیں ہے، وعدوں کا مدار اِیمان اور عملِ صالح ہے۔ اِسلام صرف نام لینے کی چیز نہیں عمل کرنے کی چیز ہے اِسلام پر عمل کیجئے اِسلام بھی محفوظ رہے گا اور آپ بھی زندہ ہو جائیں گے۔

میرے بزرگو ! اللہ کے ذکر سے غفلت نہ برتو جہاں تک ہو اللہ تعالیٰ کا ذکر زیادہ سے زیادہ کرو یہی ذریعہ نجات ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا مَا مِنْ شَیْئٍ اَنْجٰی مِنْ عَذَابِ اللّٰہِ مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ

ذکر سے بڑھ کوئی چیز عذاب سے نجات دینے والی نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ کا اِرشاد ہے اَکْثِرُوْا ذِکْرَ اللّٰہِ حَتّٰی یُقَالَ اِنَّہٗ لَمَجْنُوْنٌ (او کما قال ﷺ) یعنی اللہ کا ذکر اِس کثرت سے کرو کہ لوگ مجنون کہنے لگیں۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

جز یادِ دوست ہرچہ کنی عمر ضائع ست
جز سر عشق ہرچہ بخوانی بطالت ست
سعدی بشوئے لوحِ دل از عشق غیر حق
علمے کہ راہِ حق نماید جہالت ست [1]

یہ بات ہمیشہ یاد رکھو کہ جو بھی اچھا کام کرو گے سامنے آئے گا اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے : ﴿فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ o وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ﴾ یعنی ذرّہ برابر خیر بھی سامنے آئے گا اور اگر ذرّہ برابر شر ہوگا تو وہ بھی سامنے آئے گا۔ بس اللہ کے ذکر کی مشق یہاں تک بڑھاؤ کہ مرنے کے وقت بے اِختیار اللہ کا ذکر جاری ہو جائے۔

بابا رشتہ سب سے توڑ
بابا رشتہ رب سے جوڑ
بابا رشتہ حق سے جوڑ

اِس کے بعد آپ نے عجیب وغریب ہدایت جامع الفاظ اور پُر درد لہجہ میں جمعیۃ علماءِ ہند کی ترقی، خدامِ جمعیۃ کے لیے اِخلاص، اِسلام اور دین کی حفاظت وترقی اور ملک وملت کی ترقی اور تمام حاضرین اور سب مسلمانوں کی مغفرت کے لیے دُعا فرمائی۔

✿ ✿ ✿

---

[1] دوست کی یاد کے سوا جو کچھ بھی کرے گا عمر کا ضیاع ہے، عشق کے راز کے علاوہ جو کچھ پڑھے گا جہالت ہے۔ اے سعدی ! دل کی تختی کو غیر اللہ کے عشق سے صاف کر دے، ایسا علم جو حق کا راستہ نہ دکھائے جہالت ہے۔

قسط : ۴

فضائل کلمہ طیبہ اور اُس کی حقیقت

﴿ حضرت مولانا محمد اِدریس صاحب اَنصاری رحمۃ اللہ علیہ ﴾

۞ ۞ ۞

خواہشات یعنی جی چاہتی چیزوں کی قربانی :

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن عاص اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کا مجمع تھا میں بھی ساتھ تھا میرے اُوپر ایک ہلکی رنگین چادر تھی حضور ﷺ نے دیکھ کر فرمایا یہ کیا اوڑھ رکھا ہے ؟ میں حضور ﷺ کے لب ولہجہ سے سمجھ گیا کہ آپ کو میری چادر کا رنگ ناگوار معلوم ہوا ہے آپ نے پسند نہیں کیا جب میں گھر واپس ہوا تو دیکھا چولھا جل رہا تھا میں نے اُس چادر کو چولہے میں ڈال دیا۔ (ابوداؤد شریف)

(۲) جنگِ اُحد میں جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے تو کفار نے اُن کی ناک اور کان کاٹ ڈالے سینہ چاک کر کے اُن کا کلیجہ نکال لیا، اُن کی ہمشیرہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو جب اِن کی شہادت کی خبر پہنچی تو بھائی کی صورت دیکھنے تشریف لے گئیں، راستہ میں اُن کے صاحبزادہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ملے اُنہوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صورت دیکھنے سے منع فرمایا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے صاحبزادے کے زور سے تھپڑ مارا وہ علیحدہ ہوگئے جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آگے بھائی کی صورت دیکھنے کو بڑھیں تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے للکار کر کہا امی جان ! حضور ﷺ نے صورت دیکھنے کی ممانعت فرمادی ہے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا یہ بات سنتے ہی فوراً کھڑی ہوگئیں اور کہنے لگیں کہ میں بے صبری نہیں کروں گی، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ امی جان کہتی ہیں کہ میں بھائی کی اِس شہادت سے گھبرائی نہیں ہوں بلکہ مجھے ایسی شہادت کی خوشی ہے اور میں صابر رہوں گی تب حضور ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صورت

دیکھنے کی اِجازت دے دی، اِس کے بعد حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی کی صورت دیکھی ورنہ اتنے حضور ﷺ کی اِجازت نہیں مل گئی صفیہ رضی اللہ عنہا نے شہید بھائی کی صورت نہیں دیکھی کیونکہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھنے کا تقاضا یہی تھا۔

(۳) ایک صحابی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے غزوۂ خندق میں اِرشاد فرمایا کہ جاؤ کفار کا حال معلوم کر کے آؤ لیکن وہاں جا کر کچھ کرنا نہیں بلکہ محض معلومات کر کے آجانا، جب میں وہاں پہنچا تو کفار آگ جلا کر جاڑے کی وجہ سے تاپ رہے تھے اور ابوسفیان جو اُن کے سردار تھے وہاں پر ہی موجود تھے اور میرے تیر کے نشانے پر کھڑے تھے میں نے اپنا تیر نکالا اور کمان میں رکھا تا کہ اِس سردار کو لگے ہاتھ مارتا جاؤں لیکن فوراً حضور ﷺ کا اِرشاد یاد آ گیا کہ ''کچھ کرنا نہیں'' اِس لیے میں نے اپنے تیر کو کمان سے نکال کر ترکش میں رکھ لیا اور محض وہاں کی جاسوسی کے حالات معلوم کر کے واپس آ گیا، مسلم شریف میں بحوالہ کعب القرظیؒ نے اِس واقعہ کی تفصیل یہ بیان کی ہے۔

محمد بن کعب نے بیان کیا کہ کوفہ کے ایک نوجوان نے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے یہ کہا : ابوعبداللہ ! کیا آپ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے اور آپ لوگوں نے اُن کی صحبت اُٹھائی ہے ؟ حذیفہؓ نے کہا ہاں اے بھتیجے ہم نے اُن کو دیکھا بھی ہے اور ہم اُن کی صحبت میں بھی رہے ہیں۔ اُس نے کہا کہ تم لوگ کیا کرتے تھے ؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہم حضور ﷺ کے زمانہ میں اللہ کے لیے خوب محنت کرتے تھے۔ اُس نوجوان نے کہا اللہ کی قسم اگر ہم حضور ﷺ کو پاتے تو ہم اُن کو زمین پر نہ چلنے دیتے اور آپ کو اپنے کندھوں پر اُٹھائے پھرتے اور اُن کا قدم زمین پر نہ پڑنے دیتے۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: بھتیجے اللہ کی قسم کاش تو ہمیں خندق کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دیکھتا، رسول اللہ ﷺ نے رات کے کچھ حصہ میں نماز پڑھی پھر آپ نے رُخ پھیر کر فرمایا ''ہے کوئی مرد جو کھڑا ہو اور ہماری معلومات کے لیے اُس قوم کا حال معلوم کر کے آئے'' مگر حضور ﷺ نے یہ شرط لگائی کہ اگر وہ ہمارے پاس خبر لے کر واپس آئے گا تو اللہ تعالیٰ اُس کو جنت میں داخل کرے گا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور ﷺ کی اِس بات پر جماعت میں سے کوئی بھی نہیں اُٹھا

اِس کے بعد حضور ﷺ نے پھر کچھ دیر بعد نماز پڑھی اور پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر وہی بات پھر دہرائی، اِس دفعہ بھی کوئی آدمی کھڑا نہ ہو، آپ نے پھر مختصر نماز پڑھی اور پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ''ہے کوئی مرد جو کھڑا ہو اور دشمن قوم کا حال دیکھ کر آئے اور ہمیں بتائے'' حضور ﷺ نے اِس دفعہ بھی یہ شرط لگائی کہ اگر وہ واپس آ گیا تو میں اللہ تعالیٰ سے اُس کے واسطے دُعا کروں گا کہ وہ جنت میں میرا رفیق اور ساتھی ہو، اِس مرتبہ بھی زبردست خوف اور بھوک کی شدت اور زبردست سردی کی وجہ سے کوئی بھی اِس کام کے لیے نہیں اُٹھا اور جب اِس مرتبہ کوئی نہ اُٹھا تو حضور ﷺ نے میرا نام لے کر آواز دی اب جبکہ آپ میرا نام لے کر مجھے آواز دے چکے تھے تو میرے لیے اُٹھنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا آپ نے فرمایا : **یا حذیفة اذهب فادخل فی القوم فانظر ما یفعلون ولا تحدثن شیئا حتی تاتینا.** اے حذیفہؓ ! جا اور دشمن کی صفوں میں گھس جا، دیکھ وہ کیا کرتے ہیں مگر خبردار اُن سے کوئی بات وغیرہ نہ کرنا یعنی وہاں کچھ نہ کرنا سیدھا ہمارے پاس آ جانا۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے حکم کی تعمیل کی، میں اُن لوگوں میں چلا گیا اللہ تعالیٰ کا شکر کہ اُن کے ساتھ ہوا وہ کچھ کر رہی تھی جو اُس کو کرنا تھا نہ اُن کا خیمہ ٹھہرتا تھا نہ اُن کی آگ پر قابو تھا نہ اُن کا سامان ٹھہرتا تھا ہر چیز اُڑتی ہوئی نظر آ رہی تھی، ابوسفیان کھڑا ہوا اور کہنے لگا لوگو ! ہر آدمی اپنے پاس بیٹھے ہوئے کو دیکھے کہ کوئی اجنبی تو نہیں آ گیا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے آدمی کا ہاتھ پکڑ لیا اور میں نے اُس کو کہا تو کون ہے اُس نے کہا میں فلاں ہوں فلاں کا بیٹا ہوں، اِس کے بعد ابوسفیان نے کہا اے قریش کے لوگو ! تم ایسی جگہ پڑے ہوئے ہو جو نہایت ہی خطرناک ہے ہمارے سامان اور سواریاں سب تتر بتر ہو گئے ہیں اور یہود بنو قریظہ نے ہم سے بدعہدی کی ہے اور ہمارا ساتھ نہیں دیا اور اُن کی طرف سے ہمیں اِس قسم کی باتیں پہنچ رہی ہیں جو ہمارے دل دُکھا رہی ہیں اِس طوفانی ہوا کی وجہ سے ہمارا وہ حال ہو گیا ہے جسے تم دیکھ رہے ہو خدا کی قسم نہ تو ہماری دیگیں ٹھہرتی ہیں اور نہ ہماری آگ جلتی ہے اور نہ ہمارے خیمے ٹھہرتے ہیں سب اُڑ اُڑ کر دُور جا رہے ہیں بس اب یہاں سے کوچ کرو میں بھی واپس ہوتا ہوں پھر وہ اپنے اُونٹ کی طرف گیا جو بندھا ہوا تھا اُس

پر بیٹھ گیا پھر اُس کو ضرب لگائی تو وہ تین قدموں پر اُٹھ کھڑا ہوا اُس نے اپنے اُونٹ کی رسی اُس وقت کھولی جبکہ وہ کھڑا ہوا تھا اگر حضور ﷺ کا یہ حکم نہ ہوتا کہ وہاں کوئی بات نہ کرنا اور سیدھے میرے پاس واپس آجانا اُس وقت اگر میں چاہتا تو اُس کو یعنی ابوسفیان کو اپنے تیر کے ساتھ قتل کر دیتا۔

یہ واقعہ سنا کر حضرت حذیفہؓ نے فرمایا میں حضور ﷺ کی خدمت میں واپس لوٹا تو آپ اپنی کسی بیوی کی چادر اوڑھ کر نماز پڑھ رہے تھے جب آپ نے مجھے دیکھا تو آپ نے مجھے اپنے دونوں قدموں کے درمیان گھسالیا اور مجھ پر اپنی چادر کا ایک پلہ ڈال دیا پھر آپ نے رکوع کیا سجدہ کیا اور میں اِس حال میں آپ کے قدموں کے درمیان بیٹھا رہا اور جب آپ نے سلام پھیر دیا تو میں نے آپ کو تفصیل بتائی تو قبیلہ والوں نے جب قریش کا یہ حال سنا تو وہ لوگ بھی اپنے اپنے علاقہ میں واپس جانے لگے یعنی میدان سے روانہ ہو گئے۔

(۴) مدینہ منورہ میں ایک دفعہ حضور ﷺ باہر تشریف لے گئے تھے راستہ میں ایک قبہ اُونچا بنا ہوا دیکھا آپ نے صحابہؓ سے دریافت کیا یہ کیا ہے ؟ صحابہؓ نے عرض کیا حضور فلاں اَنصاری نے یہ اپنا مکان بنایا ہے آپ خاموش ہو گئے پھر وہی اَنصاری آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حسبِ معمول آپ کو سلام کیا لیکن آپ نے کوئی جواب نہ دیا اُنہوں نے خیال کیا کہ شاید حضور ﷺ نے میرا سلام نہیں سنا، دوبارہ پھر سلام عرض کیا لیکن حضور ﷺ نے پھر بھی سلام کا جواب نہیں دیا اب تو فکر ہوا اور حاضرینِ مجلس سے آپ کی ناراضگی کا سبب دریافت کیا۔ صحابہؓ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے جب تمہارا قبہ دیکھا تو دریافت فرمایا تھا کہ یہ کس کا مکان ہے ! ہم نے عرض کیا کہ فلاں شخص کا ہے بس اِتنا قصہ تو ہمارے سامنے پیش آیا، وہ اَنصاری سمجھ گئے کہ میرا اُونچا مکان حضور ﷺ کو ناپسند ہے اُسی وقت اُس پاک مجلس سے اُٹھے اور جا کر اُس قبہ کو ڈھا دیا اور اُس کے ڈھانے میں یہاں تک مبالغہ کیا کہ بنیادیں بھی اُکھاڑ کر پھینک دیں اور سطحِ زمین کے برابر کر دیا۔ (ابوداؤد)

اِن واقعات سے آپ کو اَندازہ ہو گیا ہوگا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے اِقرار کے یہی معنی ہیں کہ اپنے مال اپنی جان اپنی خواہشات کو آپ کے حکم کے مقابلہ میں فنا کر دے کیونکہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا ہے لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوٰہُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِہٖ یعنی اپنی ہر چیز میں آپ کی رہنمائی بلا چوں و چرا تسلیم کرے آپ کے طریقہ کو بلا دلیل قبول کرے آپ کے اَقوال اور اَحکامات کی خوشی خوشی تعمیل کرے۔

صحابہ کا قول ہے بَایَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ مَکْرَھًا وَّمَنْشَطًا یعنی بیعت کی ہم نے رسول اللہ ﷺ کی اِطاعت پر ہر صورت میں خواہ اُس میں کوئی ناگواری ہو یا نہ ہو [۱] محمد رسول اللہ ﷺ کا دل سے اِقرار کرنے کا مطلب یہی ہے ورنہ منافق میں اور ہم میں کوئی فرق اور اِمتیاز باقی نہیں رہتا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر لا اِلٰہ اِلا اللہ کہنے والا اپنے اِس کہنے میں سچا ہے (یعنی اِس کو یقین کے ساتھ کہا ہے) تو اُس کے گناہ اگر زمین کی خاک کے برابر ہوں گے تب بھی بخش دیے جائیں گے اور فرمایا جس نے اخلاص سے لا اِلٰہ اِلا اللہ پڑھا وہ جنت میں جائے گا چنانچہ اِمام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ اِسی قسم کا کلمہ سب عبادتوں کا خلاصہ اور ذکرِ اِلٰہی کا لبِ لباب اور مغز ہے اور مسلمان کی اصل بھی کلمہ لا اِلٰہ اِلا اللہ ہی ہے اور یہی کلمہ اصل ذکر ہے اور باقی تمام عبادتیں اِسی ذکر کی تاکید میں ہیں (یعنی مضبوط بنانے کے لیے ہیں)۔

دُوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں: توحید چار درجوں پر ہے: توحید کا ایک مغز ہے اُس مغز کا بھی ایک مغز ہے اور توحید کا ایک پوست (چھلکا) ہے اور اُس پوست کا بھی ایک پوست ہے پس توحید کے دو مغز اور دو پوست ہیں اِس کی مثال کچے اَخروٹ کی طرح ہے کہ اُس میں ایک مغز اور دو چھلکے ظاہر ہیں اور روغن اُس مغز کا مغز ہے۔

(۱) پہلا درجہ یہ ہے کہ زبان سے لا اِلٰہ اِلا اللہ کہے اور دل سے اعتقاد نہ رکھے۔ سو یہ منافقوں کی توحید ہے۔

---

[۱] عبادۃ بن صامتؓ کی حدیث میں ہے بَایَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ عَلَی الْمَنْشَطِ و مَکْرَھًا میں نے رسول اللہ ﷺ سے اُن حکموں کی تعمیل کرنے پر بیعت کی خواہ وہ حکم میرے نفس کو اچھے لگیں یا میرے نفس پر ناگوار گزریں۔

(۲) دُوسرا درجہ یہ ہے کہ تقلیداً باپ دادوں اور رشتہ داروں کی دیکھا دیکھی کلمہ کے معنوں کا دل سے اعتقاد رکھے کہ جس طرح عام لوگ تسلیم کرتے ہیں یا کسی دلیل سے کلمہ کے معنوں کو صحیح تسلیم کرے جس طرح فلسفی لوگ دلیل کے ساتھ کلمہ کے معنی کو تسلیم کرتے ہیں۔

(۳) تیسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی مشاہدہ سے دیکھے کہ سب کی ایک اصل یعنی اللہ تعالیٰ ہے اور سب کاموں کا ایک ہی فاعل یعنی کرنے والا ہے اور یہ کسی دُوسرے کا کام نہیں اور یہ درجہ ایک نور یعنی روشنی کی معرفت حاصل ہوتا ہے جو اُس کے دل میں پیدا ہوتی ہے اور اِسی خاص روشنی سے یہ مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے اور یہ مشاہدہ عوام اور فلسفی کے اعتقاد کی طرح نہیں کیونکہ اُس کا اعتقاد ایک گرہ ہے جو تقلید یا دلیل کے واسطے سے دل میں ڈالتے ہیں۔ اور تیسرے درجہ کی توحید دل کے کھل جانے کے باعث ہے جو تمام بندھنیں کھول دیتا ہے اور یہ چیز کسی اللہ والے کی بیعت کے بعد اُس کے بتلائے ہوئے طریقہ پر ذکر و فکر کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

مثال : ایک شخص تو کسی کے کہنے سے اپنے دل میں یہ اعتقاد رکھے کہ فلاں سردار گھر میں ہے یہ تو عام لوگوں کی توحید کی مثال ہے کہ اُنہوں نے اپنے ماں باپ سے سن کر کلمہ کے معنی کو تسلیم کر لیا ہے۔

دُوسرا شخص وہ ہے کہ سردار کے گھوڑے اور غلام کو دیکھ کر اعتقاد کرے کہ سردار گھر میں ہے یہ فلسفیوں کے اعتقاد کی مثال ہے کہ اُنہوں نے معنی کو دلیل سے تسلیم کیا ہے۔

تیسرا شخص وہ ہے کہ سردار صاحب کو اپنی آنکھوں سے گھر میں دیکھ لے تو یہ عارفوں کی توحید کی مثال ہے کہ یہ لوگ توحید کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

تو اِن تین شخصوں میں بہت بڑا فرق ہے، اگرچہ اِس توحید کا درجہ بھی اعلیٰ ہے لیکن عارف اِس مقام پر پہنچ کر مخلوق کو بھی دیکھتا ہے اور خالق کو بھی اور جانتا ہے کہ مخلوق خالق سے ہے، اِس درجہ کی توحید میں کثرت اور دروازے بہت ہیں۔ اور عارف جب دو دیکھتا ہے تو مخلوق کو خالق سے فرق کرنے میں رہتا ہے خیالات جمع نہیں ہوتے تو یہ درجہ بھی توحید کا کامل نہیں۔

(۴) توحید کا چوتھا درجہ یہ ہے کہ آدمی ایک کے سوا دُوسرے کو نہ دیکھے اور سب کو ایک ہی

دیکھے اور ایک ہی پہچانے تو اِس مشاہدے میں فرق کرنے کا کچھ کام نہیں۔ صوفی لوگ اِس درجہ کو ''فناء فی التوحید'' کہتے ہیں جیسا کہ حضرت حسین حلاجؒ نے حضرت شیخ خواصؒ کو جنگل میں پھرتے دیکھا تو پوچھا کیا کرتے ہو ؟ کہا، توکل میں اپنا قدم جمارہا ہوں۔ اِس پر حسینؒ نے کہا تم نے اپنی عمر تو باطن کی آبادی میں گزاری، فناء کے ساتھ توحید میں کب پہنچو گے ؟ بس یہ چار مقام ہیں۔

(۱) منافق کی توحید تو یہ پوست (چھلکے) کا پوست ہے جیسے کہ اَخروٹ کا اُوپر والا چھلکا اگر کھاؤ تو برا معلوم ہوتا ہے اور اُس کے باطن کو دیکھو تو بدشکل اور برا، اگرچہ اُس کا ظاہر سبز اور خوشنما معلوم ہوتا ہے لیکن اگر اِس کو جلاؤ تو دھواں دیتا ہے اور آگ بجا دیتا ہے اور جو رکھ دو تو وہ کسی کام میں نہیں آتا بلکہ خواہ مخواہ ہی جگہ گھیرتا ہے مگر چند روز اِسے اَخروٹ ہی پر لگا رہنے دیں تا کہ وہ اپنے اندر والے چھلکے کو تازہ رکھے اور آفتوں سے بچائے رکھے۔ اِسی طرح منافق کی توحید کسی کام کی نہیں اور یہ پوست بہ نسبت مغز کے بالکل بے حقیقت ہوتا ہے۔

(۲) اِسی طرح عوام الناس اور فلسفیوں کی توحید بھی اِسی کام کی ہے کہ اُس کے مغز یعنی جان کو دوزخ کی آگ سے بچائے رکھتی ہے اور یہ توحید اگرچہ کام کی ہے مگر مغز اور روغن کی لطافت سے خالی ہے جس طرح اَخروٹ کا مغز بھی مقصود اور عزیز ہے مگر جب تم اُس کا روغن سے مقابلہ کرو گے تو یہ اُس کے مقابلہ میں پھوک اور ثفل کی حیثیت سے خالی نہ ہوگا اور فی نفسہٖ کمال صفائی کو نہ پہنچا ہوگا۔

(۳) تیسرے درجہ کی توحید میں بھی کثرت اور تفرقہ اور زیادتی پائی جاتی ہے۔

(۴) معلوم ہوا کہ چوتھا درجہ اعلیٰ درجہ کا صاف ہے کیونکہ اُس میں حق ہی حق رہتا ہے اور اِس درجہ کا موحد ایک کے سوا اور کسی کو نہ دیکھتا ہے نہ اُس کی فکر کرتا ہے بلکہ وہ اُس میں ایسا فنا ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو بھی بھول جاتا ہے جس طرح اور چیزیں اُس کے دیکھنے میں فنا ہوگئیں اِسی طرح وہ خود بھی اپنے دیکھنے میں فنا ہو جاتا ہے اور اللہ کے سوا کسی چیز پر اُس کی نظر نہیں رہتی۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

موحد کہ بر پائے ریزی زرش
چہ فولاد ہندی نہی بر سرش

اُمید و ہراسش نباشد زکس

بریں است و بنیاد توحید و بس

ترجمہ : موحد کے پاؤں میں اگر سونا رکھ دو یا اُس کے سر پر تلوار رکھ دو تو یہ موحد نہ کسی سے اُمید رکھتا ہے اور نہ کسی سے خوف رکھتا ہے اور اِسی چیز پر توحید کی بنیاد ہے۔

ایک اُردو کے شاعر بھی توحید کے مضمون کو اِس طرح ادا کرتے ہیں ؎

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے

یہ بندہ دو عالَم سے خفا میرے لیے ہے

اور ہماری تبلیغ میں کلمہ جو اَوّلین درجہ رکھا گیا اُس کی غرض صرف یہی ہے کہ کلمہ کے معنی کی مشق بڑھاتے بڑھاتے چوتھے درجہ کی توحید حاصل کر کے ہر اَمر میں ہدایتِ خداوندی کا پابند ہو جائے۔

اِمام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اِبتدا مجاہدہ رُکن نمبر ۳ کیمیائے سعادت میں اِس طرح تحریر فرماتے ہیں :

''مرید کو چاہیے کہ ہر چیز کو بھلا کر لا اِلٰہ اِلا اللہ پر اِیمان لائے اور اِس کے معنی کی تحقیق اپنے دل سے کرے اور یہ اِس کی حقیقت ہے کہ سوائے حق جل وعلاء کے کوئی معبود نہ رہے کہ جس کی بندگی میں سر جھکائے اور اگر حرص وھوا اور تمنا اُس پر غالب ہو گئی ہو تو اُس کا معبود وہی ہے جس کی وہ بندگی کرتا ہے ﴿اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ هَوٰىهُ﴾ مثلاً بیوی بچہ مال اور جان عزت اور آبرو کے بنانے اور اُن کے راضی کرنے کی فکر اللہ و رسول ﷺ کے مقابلہ میں اگر دامن گیر رہا تو اُس نے لا اِلٰہ اِلا اللہ محمد رسول اللہ اللہ کے معبود ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے کا اِقرار دل سے نہیں کیا۔ اور جب یہ حال حقیقت ہو جائے اور سوائے خدا کے کوئی بھی اُس کا معبود نہ رہے تو اُس وقت اکثر کاموں کا اِنکشاف اپنے مکاشفہ اور مجاہدہ سے حاصل کر لیتا ہے یعنی اِس درجہ کا موحد صاحبِ کشف ہو جاتا ہے اور تمام کاموں کی حقیقتیں اُس کے سامنے روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو جاتی ہیں۔''

عروہ بن مسعود نے حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرامؓ کی بے نظیر اِطاعت کا جو نقشہ واپس آ کر مکہ والوں کے سامنے بیان کیا تھا اُس سے اِس اَمر کا صحیح اَندازہ ہوسکتا ہے کہ کلمہ لا اِلہ اِلا اللہ محمد رسول اللہ کے اِقرار کے بعد صحابہ کرامؓ کی کیا کیفیت ہوگئی تھی۔ عروہ حدیبیہ سے واپس ہوکر جب مکہ پہنچا تو اُس نے کفارِ مکہ سے اِس طرح گفتگو کی :

''اے قریش ! میں بڑے بڑے بادشاہوں کے یہاں گیا ہوں قیصر و کسریٰ، نجاشی کے درباروں کو میں نے اچھی طرح دیکھا اور اُن کے شاہی آداب بھی اچھی طرح دیکھے ہیں خدا کی قسم ! میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اُس کی جماعت اپنے بادشاہ اور رئیس کی ایسی تعظیم کرتی ہو جیسی محمد (ﷺ) کی جماعت اُن کی تعظیم کرتی ہے، اگر وہ تھوکتے ہیں تو جس کے ہاتھ پر پڑ جاتا ہے وہ اُس کو بدن اور منہ پر مَل لیتا ہے اور جو بات محمد (ﷺ) کے منہ سے نکلتی ہے اُس کو پورا کرنے کو سب کے سب ٹوٹ پڑتے ہیں، اُن کے وضو کے استعمال کا پانی آپس میں لڑلڑ کر تقسیم کرتے ہیں اور اُس کو زمین پر گرنے نہیں دیتے اگر کسی کو قطرہ نہ ملے تو دُوسرے کے ہاتھوں کو ہاتھ سے مَل کر اپنے ہاتھ مَل لیتے ہیں، اُن کے سامنے بولتے ہیں تو بہت ہی ہلکی آواز سے بولتے ہیں، اُن کے سامنے اَدب کی وجہ سے سر کو جھکائے رکھتے ہیں اور محمد (ﷺ) کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے، اگر اُن کے سر یا داڑھی کا کوئی بال گر جاتا ہے تو اُس کو تبرکاً اُٹھا کر رکھ لیتے ہیں اور اُس کی بھی تعظیم و تکریم اور احترام کرتے ہیں۔ غرضیکہ میں نے کسی جماعت کو اپنے سردار سے اِتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محمد (ﷺ) کی جماعت اُن کی اِطاعت اور اُن کے ساتھ محبت کرتی ہے۔'' (حکایاتِ صحابہؓ و اِبن کثیر)۔

(جاری ہے)

منصبِ نبوت

﴿ حضرت مولانا مفتی قاری عبدالرشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ ﴾

اللہ تعالیٰ نے جامعہ مدنیہ لاہور کے سابق اُستاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی قاری عبدالرشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ (م: ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء) کو اِحقاقِ حق اور اِبطالِ باطل کا خاص ملکہ عطاء فرمایا تھا۔ آپ نے وعظ وتلقین اور اِرشاد ونصیحت کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف سے بھی دین کی خدمت وحفاظت کا فریضہ سرانجام دیا اِس سلسلہ میں مشقتیں اور صعوبتیں بھی برداشت کیں آپ کے تصنیفی مواد میں سے ''منصبِ نبوت'' ایک منفرد اور تحقیقی مضمون ہے، اِفادیت کے پیشِ نظر نذرِ قارئین کیا جارہا ہے۔ (اِدارہ)

زمانۂ نبوت سے جس قدر بُعد ہوتا جارہا ہے اُسی قدر ضلالت وگمراہی کی اِشاعت اور شریعتِ غراء کی تعلیمات سے اِجتناب اور رُوگردانی بلکہ ملتِ بیضاء کے اُصول اور اُس کے بنیادی عقائد کے بطلان کے لیے شیاطین جن وانس کی سرگرمیاں بڑھتی جارہی ہیں بلکہ یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ یہ وہی دور آچکا ہے جس کے بارے میں حضور ﷺ نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ قربِ قیامت میں اِیمان سے ہٹا دینے والے فتنوں کی اِتنی کثرت ہوجائے گی کہ اگر اِنسان صبح کو مومن ہے تو شام کو کافر ہوجائے گا اور اگر شام کو مومن ہے تو صبح کو کافر اُٹھے گا۔

دورِ حاضر کے گمراہ کن فتنوں میں سے ایک جگر دوز وزہر گداز فتنہ ''اِنکارِ حدیث'' کا فتنہ ہے لیکن چودہ سو سال سے پوری اُمت کا حجتِ حدیث پر متفق ہونا اِس بات کی بین دلیل ہے کہ اِس قسم کے لچر اور بیہودہ اِعتراض جو آج منکرین حدیث کررہے ہیں، بے بنیاد ہیں اور ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ ساری اُمتِ اِسلامیہ کسی اَمرِ غیر واقعی پر متفق ہوجائے اور اِس بات سے منکرینِ حدیث بھی بے خبر نہیں ہیں

چنانچہ جب وہ سوال و جواب کرتے کرتے اِس مرحلہ پر آجاتے ہیں تو اِس کے لیے اُنہوں نے ایک اور چور دروازہ بھی تلاش کر رکھا ہے کہ اگر اُن کے عائد کردہ اِعتراضات کا جواب دے دیا جائے تب بھی اُنہیں حدیث سے راہِ فرار اِختیار کرنے میں کوئی دِقت پیش نہ آئے اور وہ یہ ہے کہ اَحادیث تشریعی اہمیت کی حامل نہیں ہیں بلکہ اِن کی حیثیت ایک تاریخ کی سی ہے چنانچہ منکرینِ حدیث رقمطراز ہیں :

''اَلغرض حدیث کا صحیح مقام دینی تاریخ کا ہے، اِس سے تاریخی فائدے حاصل کیے جاسکتے ہیں لیکن دین میں حجت کے طور پر وہ نہیں پیش کی جاسکتی۔'' [۱]

چونکہ حدیث کی تشریعی حیثیت کے اِنکار سے رسول کی تشریعی حیثیت کا بھی اِنکار کرنا پڑتا ہے اِس لیے منکرینِ حدیث نے رسول کی تشریعی حیثیت کا اِنکار کر کے اُسے ایک عام اَمیر و حاکم کے برابر کر دیا چنانچہ لکھتے ہیں :

''خدا کے اَحکام قرآنِ کریم میں منضبط تھے اور رسول اللہ بحیثیت مرکز نظامِ خداوندی اِن اَحکام کی اِطاعت حالات کے تقاضے کے مطابق اَفرادِ معاشرہ سے کراتے تھے۔''

لہٰذا اِس فاسد عقیدے کی تردید کے لیے ہمیں قرآنِ پاک کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ قرآنِ پاک حضور علیہ السلام کو بطور ایک ایسے مرکز ملت (اَمیر و حاکم) کے پیش کرتا ہے کہ جس کا منصب رسالت تبلیغ قرآن پر ختم ہو جاتا ہے اور اِس کے بعد وہ اور ملت کے دیگر مراکز سب برابر ہیں یا بطور ایک ایسے جلیل القدر پیغمبر کے پیش کرتا ہے جو دیگر تمام اَنبیاء سے افضل ہیں اور جن کا اِتباع رہتی دُنیا تک پوری اُمت کے لیے فرض۔ حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ خصوصیات جو اُن کو ایک عام اَمیر و حاکم سے ممتاز کرتی ہیں بڑے عمدہ پیرائے میں بیان فرمائی ہیں میں اِختصاراً ذکر کرتا ہوں۔

(۱) ﴿ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ﴾ (سُورۃ الحج : ۷۵)

---

[۱] مقامِ حدیث ص ۱۴۱ طبع جدید

''اللہ تعالیٰ فرشتوں اور اِنسانوں میں رسول اپنی ہی پسند سے بناتا ہے۔''

اِس سے معلوم ہوا کہ رسولوں کا تقرر خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَمیر و حاکم کی طرح اِن کا تقرر مخلوق نہیں کرتی، مخلوق کے مشوروں کی بھی اِس بارے میں کوئی رعایت نہیں کی جاتی اور نہ ہی اُنہیں اِس کا حقدار سمجھا جاتا ہے اِس لیے جب کفارِ مکہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت میں اپنی رائے زنی شروع کی تو سخت لہجہ میں اُن کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا گیا۔

﴿ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ ط نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ [1]

''کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں حالانکہ دُنیوی زندگی میں اِن کا رزق ہم نے تقسیم کیا ہے۔''

یعنی نبوت و رسالت رُوحانی غذا ہے کیونکہ اگر نبوت کے ذریعہ ہدایت کا راستہ نہ دکھایا جاتا تو تمام جن و اِنس رُوحانی طور پر موت کی آغوش میں چلے جاتے لہٰذا جب جسمانی غذا کی تقسیم اللہ نے صرف اپنے ہی قبضہ میں رکھی ہے (جس کا کفار کو اِقرار ہے) جس کو جتنا چاہتا ہے دیتا ہے اِس میں کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں تو معلوم ہوا کہ رُوحانی غذا کی تقسیم بھی بطریقِ اُولیٰ صرف خدائے بزرگ و برتر کا حق ہے جسے چاہے نبوت و رسالت سے سرفراز فرمائے اِس میں بھی کسی کو چوں چرا کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں۔ اور اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبوت کو رحمت سے تعبیر کر کے ایک اور جواب کی طرف لطیف سا اِشارہ فرمایا دیا کہ نبوت تو ایک رحمت ہے لہٰذا رحمت کی تقسیم کا حق بھی صرف رحمٰن ہی کو ہوسکتا ہے، جو خود رحمت میں دُوسرے کے محتاج ہوں وہ نبوت جیسی بڑی رحمت کی تقسیم کے ٹھیکدار کیسے بن سکتے ہیں ؟ اب فرمایئے کہ مرکزِ ملت کا اِنتخاب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یا جناب کے ووٹ ؟ ع

ببیں تفاوتِ راہ اَز کجاست تا بکجا

(۲) ﴿ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ ﴾ (سُورۃ الانعام : ۱۲۴)

''یہ بات خدا ہی خوب جانتا ہے کہ اُسے اپنا رسول کسے بنانا ہے۔''

---

[1] سُورہ زخرف : ۳۲

اِس سے معلوم ہوا کہ منصبِ رسالت صرف ایک وہبی منصب ہے اِس میں کسی کے کسب کو کوئی دخل نہیں یعنی عبادات و ریاضات سے یہ مقام حاصل نہیں کیا جا سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ جس میں چاہے نبوت و رسالت کی اہلیت رکھ دیتا ہے، اِس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ منصب جن خصوصیات کی بناء پر مرحمت ہوتا ہے اُن کا علم بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں۔ اِمام اور اَمیر کی خصوصیات معلوم ہیں اِس کا اِنتخاب بھی مسلمانوں کے سپرد ہے اور اِس لیے اُن کے معزول کر دینے سے وہ معزول ہو جاتا ہے۔

اب منکرینِ حدیث بتائیں کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا اِنتخاب لوگوں نے کیا تھا اور کیا مسلمان اُن کو اپنے منصب سے معزول کر سکتے تھے ؟

اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کو کیونکر ایک اَمیر اور حاکم کے مساوی کیا جا سکتا ہے ۔

ٹھوکریں مت کھایئے چلیے سنبھل کر دیکھ کر
چال سب چلتے ہیں لیکن بندہ پرور دیکھ کر

(۳) چونکہ قدرت اِن کا اِنتخاب خود ہی کرتی ہے اِس لیے اِن کی تعلیم کا اِنتظام بھی خود ہی کرتی ہے چنانچہ اِرشاد ہوتا ہے :

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ﴾ (سُورۃ العلق : ۱)

''پڑھیے اُس پروردگار کے نام کی برکت سے جس نے آپ کو پیدا کیا۔''

کیا منکرینِ حدیث کے مقرر کردہ مرکزِ ملت کی تعلیم کا اِنتظام اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؟

(۴) اللہ تعالیٰ پڑھانے کے بعد یاد بھی کراتے ہیں اگر کچھ بھولتا ہے تو وہ بھی اُسی کی مشیت کے ماتحت ہوتا ہے۔

﴿ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ﴾ (سُورۃ الاعلٰی : ۶، ۷)

''ہم آپ کو پڑھائیں گے پھر آپ نہیں بھولیں گے بجز اُس کے جس کو خدا چاہے۔''

(۵) جس طرح رسول کی تعلیمی تربیت کا اِنتظام منجانب اللہ ہوتا ہے اِسی طرح اُن کی اَخلاقی

تربیت بھی اللہ تعالیٰ خود ہی فرماتے ہیں اِسی لیے عین بدا اَخلاقی کے دور میں وہ ایسے بلند اَخلاق کے مالک ہوتے ہیں جہاں دُنیا اپنے پورے عروج کے بعد بھی نہیں پہنچ سکتی۔

﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا﴾ (سُورہ لقمان : ۱۸)

''لوگوں کے ساتھ بے رُخی نہ کیجیے اور زمین پر اِترا کر نہ چلیے۔''

﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ (سُورۃ الحجر : ۸۸)

''مومنوں کے ساتھ بڑے اَخلاق سے پیش آیئے۔''

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ﴾ (بنی اسرائیل : ۲۹)

''اور نہ اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کے ساتھ بندھا ہوا رکھ اور نہ اُس کو پوری طرح کھول دے (بلکہ خرچ کرنے میں میانہ روی اِختیار کر)۔''

(۶) جس طرح اللہ تعالیٰ اُن کی تعلیمی اور اَخلاقی نگہبانی کرتا ہے اِسی طرح کبھی اُن کے جسمانی تحفظ کی ذمہ داری بھی لے لیتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (سُورۃ المائدہ : ۶۷)

''اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھیں گے۔''

حدیث بطورِ تاریخ کے چونکہ منکرینِ حدیث بھی تسلیم کرتے ہیں اِس لیے ایک حدیث کا واقعہ بھی اِس آیت کے ذیل میں پڑھ لیجیے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ اِس آیت کے نزول سے پیشتر رات کو آپ کے خیمہ کا پہرہ دیا جاتا تھا اِس کے بعد آپ نے وہ پہرہ منسوخ کر دیا اور خیمہ سے منہ باہر نکال کر فرمایا کہ جاؤ میری حفاظت کا اللہ تعالیٰ کفیل ہو چکا ہے۔

(۷) اِس سے بھی بڑھ کر اللہ تعالیٰ اُن کے عواطف اور میلانِ قلبی کی بھی نگرانی فرماتے ہیں چنانچہ اِرشاد ہوتا ہے :

﴿وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا﴾ (بنی اسرائیل : ۷۴)

''اگر ہم آپ کو تھام نہ لیتے تو آپ کچھ نہ کچھ اُن کی طرف جھک جاتے۔''

چونکہ اَنبیاء کرام علیہم السلام کے عزائم اور اَفعال تو دَرکنار قلبی خطرات بھی قدرتِ اِلٰہیہ کے زیرِنگرانی رہتے ہیں اِس لیے اُمت اُن کے متعلق معصوم ہونے کا عقیدہ رکھتی ہے۔ رسول و نبی کے علاوہ کسی اور اَمیر و حاکم کے متعلق عصمت کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ پیغمبر جس کے دلی وساوس اور خطرات بھی قدرتِ اِلٰہیہ کے زیرِنگرانی رہتے ہوں اُس کو ایک عام اَمیر و حاکم کے برابر کر دینا اُس کی کتنی بڑی توہین ہے، لیکن کیا کیا جائے ہدایت دینا بندہ کے اِختیار میں نہیں ؎

گہر جو دل میں نہاں ہیں خدا ہی دے تو ملیں
اُسی کے پاس ہے مفتاح اِس خزانے کی

(۸) اِس ربانی تعلیم و تربیت، عصمت اور ہمہ وقت کی نگرانی کی وجہ سے اُس کی جو بات ہوتی ہے خواہشِ نفس سے پاک اور صاف ہوتی ہے چنانچہ اِرشاد ہوتا ہے :

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴾ (سُورۃ النجم : ۳، ۴)

''وہ (نبی) خواہش نفسی سے نہیں بولتا، اُس کا بولنا نہیں ہوتا سوائے اُس وحی کے جو اُس پر بھیجی جاتی ہے۔''

اِس آیت کو قرآن کے ساتھ خاص کرنا بدترین قسم کی جہالت یا خیانت ہے کیونکہ قرآنِ پاک پڑھنے کے لیے تمام قرآن میں تلاوت یا قراءت کا لفظ مستعمل ہوا ہے کسی بھی جگہ قرآن پڑھنے کے لیے لفظ نطق نہیں بولا گیا ہے۔

دُوسری بات یہ ہے کہ ﴿وَمَا يَنْطِقُ﴾ کا مفعول محذوف ہے لہٰذا قاعدۂ بلاغت کی رُو سے یہاں مفعول مقصود ہی نہیں بلکہ محض پاکیزگی نطق بتلانی مقصود ہے خواہ کوئی سا ہی نطق کیوں نہ ہو۔ خواطر قلبی کی نگرانی اور پاکیزگی نطق سے لازم آتا ہے کہ اگر وہ اپنی رائے سے بھی کوئی فیصلہ کریں تو وہ بھی عین حق ہوگا جیسے کہ دُوسری آیت میں اِس کی تصریح بھی ہے۔

(۹) خواہشاتِ نفس سے پاکیزگی، خطرات و رائے کی عصمت کی وجہ سے وہ عالَم کے لیے مجسم نمونۂ عمل بن جاتے ہیں، یہاں حق و ناحق کی تفصیل، نیکی اور معصیت کی قسمیں سب ختم ہو جاتی ہیں

وہ جو بھی کہہ دیتے ہیں سب خواہشاتِ نفس سے پاک اور جو کرتے ہیں وہ سب نیکی ہی نیکی ہوتی ہے اِس لیے اُن کی ہستی آنکھ بند کر کے قابلِ اِتباع ہوتی ہے سوائے اُن اُمور کے جو نبی کے ساتھ خاص ہوں ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[1] تمہارے لیے حضور علیہ السلام کی ذاتِ اَقدس میں بہترین نمونۂ عمل موجود ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ بعض کاموں میں صحابہ کرامؓ نے حضرت اَبوبکرؓ و عمرؓ سے بھی پوچھ گچھ کی اور اُن سے اِختلاف کیا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ خلافِ شریعت ہونے کی صورت میں مرکزِ ملت کے کسی کام میں اِختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن نبی نے جو کہہ دیا اور جو کر دیا وہی شریعت بن گیا کسی دُوسرے کو یہ مقام حاصل نہیں ؎

رُخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اَب ایسا دُوسرا آئینہ
نہ ہماری بزمِ خیال میں نہ دُکانِ آئینہ ساز میں

(۱۰) نبی کے قلب میں اُمت کی اِتنی محبت ہوتی ہے کہ اُمتیوں کو خود اپنی جانوں سے بھی نہیں۔

﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ (سُورۃ الاحزاب : ۶)

''نبی مومنین کے ساتھ خود اُن کے نفسوں سے بھی زیادہ محبت رکھتے ہیں۔''

﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ (سُورۃ الشعراء : ۳)

''شاید آپ اپنی جان ہی ہلاک کر دیں گے اِس غم میں کہ وہ اِیمان نہیں لاتے۔''

(۱۱) اُمت پر اُن کا اِتنا اِحترام واجب ہوتا ہے کہ اُن کی بیبیاں مومنین کی مائیں بن جاتی ہیں اور نبی کی وفات کے بعد اُن سے نکاح درست نہیں۔

نبی کے سامنے آگے بڑھ کر کوئی بات کرنا اُمت کے لیے ممنوع ہے اور اُس کے سامنے اُونچی آواز سے بولنا عام اِنسانوں کی طرح آوازیں دینا تمام اَعمال کے ضائع ہو جانے کا سبب ہوتا ہے۔

(۱۲) خدائی محبت کا دعویٰ اُن کے اِتباع کے بغیر قابلِ قبول نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

---

[1] سُورۃ الاحزاب : ۲۱

﴿قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ﴾ (سُورۃ اٰلِ عمران : ۳۱)

''آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمہیں واقعی اللہ سے محبت ہے تو میری پیروی کرو۔''

(۱۳) رسول مجلسِ مشاورت کی رائے کا تابع نہیں، دُوسرے لوگ اُس کے تابع ہوتے ہیں۔

﴿فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ﴾ (سُورۃ اٰلِ عمران : ۱۵۹)

''جب آپ پختہ اِرادہ فرمالیں تو خدا پر بھروسہ کرکے اُسے کرگزریے۔''

اِس کے برعکس اِمام اور اَمیر کو مشیروں کے مشورہ کی پابندی کرنا ہوگی اور بصورتِ اِختلافِ رائے اپنی بات کو قرآن وحدیث سے ثابت کرنا ہوگا اور اپنے مشیروں کو مطمئن کرنا ہوگا لیکن رسول جب کسی اَمر پر پختہ عزم کرلے تو دُوسروں کو مطالبۂ دلیل کا حق نہیں بلکہ سرِتسلیم خم کرنا ہوگا۔

داریم باخلاص سرے بر خط تسلیم

با قول نبی چوں و چرا را نہ شناسیم

اِن آیات کو بار بار پڑھیں اور بنظرِ غائر پڑھیں اور پھر منکرینِ حدیث کا یہ عقیدہ بھی ملاحظہ کریں کہ

''اِطاعت صرف خدا کی کی جاسکتی ہے اُس کے علاوہ کسی اور کی اِطاعت جائز نہیں۔''

چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں :

''اَحادیث کی حفاظت کا ذمہ نہ خدا نے لیا اور نہ ہی اُنہیں رسول اللہ نے منضبط اور محفوظ کرکے اُمت کو دیا۔ اِس اَمر کی بدیہی شہادت ہے کہ اَحادیث کی رُو سے اِطاعتِ رسول نہ منشائے خداوندی تھا نہ مقصودِ رسول اللہ۔'' (مقامِ حدیث ص ۶۴)

اگرچہ سابقہ آیات اِس عقیدۂ فاسدہ کی تردید کے لیے کافی ہیں لیکن چند وہ آیات جن میں اِطاعتِ رسول کو خوب اُجاگر کیا گیا ہے اور اُس کی حیثیت اور اہمیت بتائی گئی ہے مزید ذکر کی جاتی ہیں تاکہ مسئلہ کی حقیقت خوب واضح ہوجائے۔

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ﴾ (سُورۃ النساء : ۵۹)

''اے مومنین اِطاعت کرو اللہ کی اور اِطاعت کرو رسول کی اور اپنے حکام کی پھر اگر تم جھگڑا کرو کسی معاملہ میں تو اُسے خدا اور رسول کے سامنے پیش کرو۔''

اِس آیت میں تین اِطاعتوں کا ذکر ہے : (۱) اللہ کی اِطاعت (۲) رسول کی اِطاعت (۳) اُمراء کی اِطاعت۔ اگر رسول بھی ایک مرکز ملت یعنی اَمیر کی حیثیت رکھتا تھا تو اِطاعتِ رسول کو اِطاعتِ اُمراء سے علیحدہ ذکر کرنے کے کیا معنی ؟ لہٰذا اِس سے معلوم ہوا کہ رسول کی حیثیت اور اُس کا مقام اُمراء سے بلند و بالا اور خدا سے نیچے ہے نیز یہ معلوم ہوا کہ اللہ کی اِطاعت کی طرح رسول کی اِطاعت بھی ایک مستقل حیثیت رکھتی ہے اِس کے برعکس اِمام اور اَمیر کی اِطاعت اِطاعتِ مستقلہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اَمیر کا حکم قرآن وسنتِ ثابتہ کے خلاف ہو تو اُس کی اِطاعت نہیں کی جائے گی اور اِسی کو واضح کرنے کے لیے رسول کے ساتھ ﴿اَطِیْعُوْا﴾ کا لفظ مکرر لایا گیا ہے اور اِطاعتِ اَمیر کو خدا ورسول کی اِطاعت کے ماتحت کر دیا گیا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اُمراء سے منازعت ہوسکتی ہے لیکن اللہ اور اُس کے رسول سے منازعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اور نیز یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ بصورتِ منازعت فیصلہ کرانے کے لیے مرجع دو ہیں: ایک اللہ تعالیٰ اور دوم اُس کا رسول، پس جس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف مراجعت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اُس کی کتاب کی طرف مراجعت کی جائے بعینہٖ اِسی طرح رسول کی طرف مراجعت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ آپ کی سنت کی جانب مراجعت کی جائے۔ اگرچہ آپ کے زمانہ میں آپ کی ذاتِ اَقدس کی طرف بھی مراجعت کی جاتی تھی لیکن بایں ہمہ اکثر و بیشتر زمانۂ رسالت میں بھی پیش آمدہ مسائل میں حضور علیہ السلام کی سنت اور اَحادیث کی طرف مراجعت ہوتی تھی کیونکہ یہ غیر ممکن تھا کہ پورے جزیرہ عرب کے تمام لوگ ہر مسئلہ میں حضور علیہ السلام کی طرف رجوع کریں اِس لیے حضور علیہ السلام کے مقرر کردہ حکام اور قاضی اور جو لوگ آپ کی خدمتِ اَقدس میں رہ کر مسائل سیکھ لیتے تھے اپنے اپنے علاقوں میں جا کر دُوسرے لوگوں کو آپ کے فرامین و اِرشادات بتاتے تھے اور وہ لوگ اُن پر عمل کرتے تھے۔

بہر حال یہ بات واضح ہوگئی کہ اِطاعتِ خداوندی کی طرح اِطاعتِ رسول بھی ایک مستقل

حیثیت رکھتی تھی بخلافِ اِطاعت اُمراء کے۔ اگر منکرینِ حدیث کے قول کے مطابق اِطاعتِ رسول سے مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اُن اَحکام کی اِطاعت کی جائے جو صاف اور واضح طور پر قرآنِ پاک میں موجود ہیں تو پھر ﴿اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ کا کوئی مفہوم ہی باقی نہیں رہتا کیونکہ یہی معنی تو ﴿اَطِیْعُوا اللّٰہَ﴾ کے ہیں لہٰذا اِس کا مطلب اِس کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا کہ اِطاعتِ رسول کی ایک مستقل حیثیت ہے یعنی آپ کے ہر حکم کا اِتباع کیا جائے خواہ اُس کی اصل قرآن میں ہمیں ملے یا نہ ملے، اِس کا مطلب یہ نہیں کہ بعض سنتوں کی اصل قرآن میں نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اِس کا مکلّف ہی نہیں بنایا کہ ہم رسول کے حکم کی اصل قرآن میں تلاش کریں بخلاف اِطاعتِ اَمیر کے کہ وہ اُسی وقت کی جائے گی جبکہ اُس کے حکم کی اصل قرآن یا سنتِ رسول میں پائی جائے۔ اِس سے اِطاعتِ رسول کے مستقل ہونے اور اِطاعتِ اَمیر کے غیر مستقل ہونے کے معنی خوب واضح ہوگئے۔

باقی رہا منکرینِ حدیث کا اِطاعتِ رسول سے اِطاعتِ اَمیر مراد لینا [۱] تو نہ معلوم یہ کون سی لُغت ہے لیکن بہرحال یہ عجیب وغریب ہی لُغت جو ﴿اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ کے معنی تو بدل کر رکھ دیتی ہے اور منکرینِ حدیث کی بگڑی ہوئی قسمت بنا دیتی ہے لیکن ﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ﴾ میں اپنا کوئی کرشمہ نہیں دکھاتی، ورنہ کیا وجہ ہے کہ رسول پر اِیمان لانے کے معنی اَمیر پر اِیمان لانے کے نہیں کیے جاتے۔ ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

اور منکرینِ حدیث کا حضور ﷺ کی ذاتِ اَقدس میں وہ حیثیتیں نکالنا اور یہ کہنا کہ پیغمبری اور رسالت کی حیثیت سے رسول کا اِتباع نہیں کیا جاتا بلکہ ایک اَمیر ہونے کی حیثیت سے آپ کا اِتباع لازم ہے [۲] لہٰذا آپ جب تک اَمیر تھے آپ کا اِتباع ضروری تھا اور دُنیا سے تشریف لے جانے کے بعد جو اَمیر ہوگا اُس کی پیروی کی جائے گی کیونکہ اِتباعِ رسول کا زمانہ ختم ہوگیا تو یہ سراسر تحریفِ قرآن ہے کیونکہ جب اَحکامِ قرآنیہ قیامت تک آنے والے تمام اِنسانی اَفراد پر لاگو ہیں اور اُن پر اَحکامِ قرآنیہ کا اِتباع ضروری وفرض ہے تو اِطاعتِ رسول کو صرف زمانۂ حیاتِ نبوی میں کیونکر محصور اور مقید کیا جاسکتا ہے

---

[۱] مقامِ حدیث ص ۶۵ [۲] ملاحظہ ہو مقامِ حدیث ص ۱۲۸

اور دُوسری وجہ یہ ہے کہ دو حیثیتیں قرآن میں کہیں مذکور نہیں اور نہ ہی اِن دونوں کے اَحکام علیحدہ علیحدہ ذکر کیے گئے ہیں اور نہ ہی کہیں تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حضور علیہ السلام کے ساتھ دو مختلف حیثیتوں کے لحاظ سے دو قسم کے معاملات کیے ہوں بلکہ آپ کا ہر فعل بحیثیتِ رسالت تھا آپ معلّم و مزکی بھی تھے، آپ شارحِ کتاب اللہ اور قاضی بھی تھے، آپ شارح قوانینِ شریعت اور حاکم و فرمانروا بھی تھے، لیکن سب کچھ بحیثیتِ رسالت تھے گویا کہ یہ سب کام اَجزائے رسالت اور اُس کے مختلف شعبے تھے اور من جانب اللہ یہ تمام اُمور فرائضِ رسالت میں سے تھے لہٰذا اِن میں سے کسی بھی کام کو حیثیتِ رسالت سے جدا کر کے تصور نہیں کیا جا سکتا اور اِسی حیثیتِ رسالت سے آپ کی پیروی اور اِطاعت فرض ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنی عادتِ مستمرہ ذکر فرماتے ہیں :

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (سُورۃ النساء : ۶۴)

''ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اِس لیے کہ اُسکی اِطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے''

مگر تعجب ہے منکرینِ حدیث پر جو کہ بڑے فخر سے اپنے آپ کو ''اہلِ قرآن'' کہتے ہیں اور حالت یہ ہے کہ اِتنی واضح آیت کے ہوتے ہوئے بھی یہ کہتے ہیں کہ رسول کی اِطاعت ہی نہیں کی جاتی ع

چہ دلاور ست دُزدے کہ بکف چراغ دارد

یہ تو تھا اِطاعتِ رسول کا اِثباتی پہلو، اَب چند وہ آیات بھی ملاحظہ فرمالیں جن سے اِطاعت نہ کرنے پر اَنجامِ بد کا پہلو بھی سامنے آجائے والعیاذ باللہ !

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ط وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ (الاحزاب : ۳۶)

''جب خدا و رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دیں تو پھر کسی مومن مرد یا عورت کو اپنے معاملہ میں کوئی اِختیار باقی نہیں رہتا اور جو اللہ اور اُس کے رسول کے اَحکام کی نافرمانی کرے تو وہ یقیناً صریح گمراہی میں جا پڑا۔''

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (سُورۃ النساء : ۶۵)

''آپ کے پروردگار کی قسم ہے کہ یہ مومن نہ ہوں گے جب تک کہ آپس کے اِختلافات میں آپ ہی کو حَکَم نہ بنائیں پھر آپ کے فیصلہ سے اپنے دل میں کوئی تنگی بھی محسوس نہ کریں اور پوری طرح سرِ تسلیم خم نہ کر دیں۔''

اِن آیات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے بعد کسی مومن مرد وعورت کو سوائے اِتباع کے اور کسی قسم کا کوئی اِختیار نہیں رہتا بعینہٖ اِسی طرح حضور علیہ السلام کے فیصلہ کے بعد بھی کسی اِیمان لانے والے مرد وعورت کو بجز اِطاعت وفرمانبرداری کے کوئی چارۂ کار نہیں نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص حضور علیہ السلام کے فیصلوں کو پوری کشادہ دلی کے ساتھ قبول نہیں کرتا بلکہ اپنے قلب میں تنگی محسوس کرتا ہے تو ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ بقسم فرماتے ہیں کہ یہ مومن نہیں ہے۔

اب آپ خود غور فرمائیں کہ کیا اِطاعتِ اَمیر بھی یہی مقام رکھتی ہے ؟ اگر نہیں اور یقینًا نہیں تو ایسے لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ وہ کہیں اِس آیت کے عموم میں تو داخل نہیں ہیں۔

﴿ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا﴾ (سُورۃ النساء : ۱۵۰)

''چاہتے ہیں کہ اللہ اور اُس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر اِیمان لاتے ہیں اور بعض کے منکر ہیں اور چاہتے ہیں کہ اُس کے درمیان راستہ اِختیار کریں ایسے لوگ یقینًا کافر ہیں۔''

اِس آیت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جو اِیمان خدا اور رسول کے درمیان تفریق پر مبنی ہو اور جس میں اِطاعتِ رسول سے اِنکار کیا جارہا ہو وہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے ہاں معتبر نہیں۔ سچ ہے ؎

خِرد نے کہہ بھی دیا لا اِلٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

✲ ✲ ✲

اِسلامی نظام ہی اِنسانیت کی فلاح و بہبود اور نجات کا ضامن

حضرت مولانا قاری محمد احمد اِدریس صاحب ہوشیار پوری
اُستاذ الحدیث و نائب مدیر جامعہ دارُالعلوم رحیمیہ ملتان

اِنسانیت نے جب بھی اپنی قدروں کو کھویا تو خالقِ کائنات نے اپنے پیغمبروں اور کتابوں کے ذریعہ اُسے اعلیٰ اقدار کے راستہ پر گامزن کیا، اِنسانیت کے جس جس طبقہ نے پیغمبروں اور کتابوں کو اپنا اِمام اور پیشوا بنایا وہ دُنیا کا مقتدا و پیشوا ٹھہرا اور دونوں جہانوں کی کامیابیاں اُس کا مقدر بنیں، دونوں جہاں اور اُس میں موجود تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے اِنسانیت کے لیے پیدا کیں اور اِنسان کو اپنا خلیفہ بنا کر اُن تمام نعمتوں سے اِستفادہ کا حقدار ٹھہرایا۔

اِنسانیت تباہی کے دہانے پر تب آن کھڑی ہوتی ہے جب وہ اُن نعمتوں میں کھو کر منعمِ حقیقی کو بھول جاتی ہے یا اُن نعمتوں کے اِستفادہ سے متعلق اَحکاماتِ منعم ترک کر دیتی ہے، آگ کے اِس دھانے کا راستہ خود اِنسانیت کا طے کردہ ہے جسے وہ کامیابی کا راستہ جان کر اُس پر چلی تھی حالانکہ خالقِ کائنات نے اِنسانیت کو اِس برے اَنجام سے اپنے نبیوں اور کتابوں کے ذریعہ آگاہ کیا تھا۔

موجد اور خالق ہی بہتر جانتا ہے کہ اُس کی مخلوق کی کامیابی کن اُصولوں پر عمل پیرا ہونے میں ہے مخلوق کے اَز خود تجویز کردہ دستور، منشور اور قوانین بظاہر جس قدر خوبصورت دکھائی دیں اور کامیابی کی نوید سنائیں لیکن تاریخ گواہ ہے اَنجام اُن کا برا ہوتا ہے مثلاً ربٰوا ''زیادتی کا دھوکہ'' کے سسٹم میں بظاہر کامیابی دکھائی دیتی ہے لیکن نتیجہ تباہی ہے اور صدقہ کا نظام بظاہر دولت کی کمی کا سبب معلوم ہوتا ہے لیکن نتیجہ خوشحالی و اطمینانِ قلب ہے۔

بعثتِ رسول ﷺ سے قبل سرزمینِ عرب بلکہ پورے کرۂ اَرض پر ظلم و ستم، جبر و اَفلاس کا دور دورہ تھا مایوسی کی کالی گھٹاؤں کے گھنے سائے پوری کائنات پر چھائے ہوئے تھے، غلامی اور بنیادی

مسائل اور وسائلِ حیات کی زنجیروں میں جکڑی اِنسانیت کی فکری صلاحیتیں مغلوب ہوگئی تھیں چنانچہ اِسی کا نتیجہ تھا کہ اپنے ہی ہاتھوں تراشے ہوئے پتھروں کو معبود کا درجہ دے کر اُسے راضی رکھنے کے جتن کرتے تھے، معبودِ حقیقی اور رزاقِ حقیقی سے لاتعلقی اور بُعد ہی کے سبب اپنی سگی بیٹیوں کو اَفلاس کے خوف سے زندہ درگور کردیتے تھے۔

حیاتِ اُخروی کا سرے سے تصور ہی نہیں تھا اِسی لیے جاہ وحشمت، کثرتِ مال و اولاد کے دلدادہ تھے اور یہی چیزیں اُن کے یہاں دلیلِ عظمت ہوا کرتی تھیں، یہ سب اُسی فکری اِنحطاط اور دُنیاوی محبت سے مغلوبیت ہی کا نتیجہ تھا کہ نہ صرف حقوقِ خالق ومخلوق سے نابلد اور نا آشنا ہوگئے تھے بلکہ اپنی ذات اور اُس کی فلاح و بہبود کے اُصولوں اور عادات واَطوار سے بھی کوسوں دُور ہوکر بھول بھلیوں میں گم ہوگئے تھے اَلغرض تمام اِنسانی قدروں کو کھو بیٹھے تھے۔ ایسے میں خالقِ دو عالَم جل جلالہٗ نے ہادیٔ دو عالم ﷺ کو خلعتِ نبوت سے سرفراز فرمایا اور اِن مشکل ترین حالات میں ایک عظیم مشن کی ذمہ داری آپ کے کاندھوں پر ڈالی اور وہ عظیم مشن یہ تھا کہ اپنے رب سے دُور ہونے والے اِنسان کو اُس کے خالق سے جوڑ دیا جائے، اُس کا حقیقی تعارف پیش کیا جائے اُس کے حقوق بتلائے جائیں اُس کے رحمت وعافیت پر مبنی اَحکامات بتلائے جائیں اُس کے لامتناہی علم اور لامحدود قدرت کا اِدراک کرایا جائے اُس کی گرفت اور سخت سرزنش کو ذہن نشیں کرایا جائے اَلغرض اُس کی صفاتِ جمالیہ اور جلالیہ سے اُس کی مخلوق کو آشنا کرایا جائے۔

اِسی طرح اِنسانیت کے باہمی حقوق متعین کرکے اُس کی تعلیم دی جائے اور دیگر جاندار مخلوق بلکہ غیر جاندار مخلوق کے حقوق بھی متعین کرکے اُن کو اِس کا پابند بنایا جائے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بالترتیب اپنے اہل وعیال، اَقرباء اور پھر پوری قوم کو اپنی بعثت اور نزولِ حق سے آگاہ فرمایا اور نہایت حکمت وموعظۂ حسنہ اور مستحسن مکالموں کے ساتھ اُنہیں ''راہِ ہدایت وفلاح'' کی دعوت وتلقین فرمائی اور اُنہیں بتایا کہ میرا منشور قبول کرنے پر ''کل اِنسانیت'' کی اِمامت بطورِ اَمانت تمہارے سپرد کردی جائے گی اور آخرت میں بھی ''عزوشرف'' کا اعلیٰ مقام حاصل ہوگا اور اِس دستور سے اِنکار کرنے کی

صورت میں دُنیا و آخرت کی ذلتیں اور رُسوائیاں تمہارا مقدر بنیں گی۔ شب و روز کی جاں گسل جہد و جہد اور سعیٔ بے مثل کے بعد دھیرے دھیرے، رفتہ رفتہ قبولِ حق کی صلاحیت و اِستعداد کے حامل اَفراد آپ کے ہمنوا ہوتے گئے اور اِس ''اِجتماعی تبدیلی'' کی ''جدو جہد'' میں ''شریک کار'' ہوگئے، اِس طرح آپ کی قیادت اور تربیت میں ایک ''اِجتماعیت'' قائم ہوگئی، آپ نے اپنی صحبت، عمل اور وحی کی روشنی میں اِن ہمنواؤں میں مخفی قائدانہ صلاحیتوں کے ''جوہر'' اُجاگر کیے چنانچہ اِس تربیت یافتہ جماعت نے ایک ایسی قوم کو جو راہ بھٹک گئی تھی اور جنہیں غلامیت، مظلومیت، قومیت، بربریت، محرومیت، سفاکیت اور اَخلاقی گراوٹ جیسی قبیح اور مذموم برائیوں کا سامنا تھا اُنہیں اِس کا اِحساس اور شعور دلایا گیا اور بتایا گیا کہ تمہیں جن اِنفرادی و اِجتماعی مسائل کا سامنا ہے وہ بت پرستی، شرک، ظلم سہنے اور غلامی سے نجات حاصل نہ کرنے کے نتائج ہیں لہٰذا اپنے خالق و مالک کی وحدانیت کا اِقرار کرو اور اُسی کی عبادت بجالاؤ کیونکہ تمام خیر و شر اور نفع و نقصان اُسی کے حکم کا اَثر ہے اور وہ ہم سب کا خیر خواہ حامی اور دوست ہے اُسی نے مجھے تمہاری طرف اِنفرادی اور اِجتماعی تبدیلی کے لیے علم و وحی کی روشنی میں راہنما اصول عطا فرما کر مبعوث کیا ہے اور تمہارا حال یہ ہے کہ تم میرے اور اُس کے دشمن ہو رہے ہو اور اُس کی تعلیمات و ہدایات سے بھاگ رہے ہو اور ایسوں کی پیروی پر بضد ہو جو تمہارے حقیقی دشمن ہیں جنہوں نے تمہیں بت پرستی اور شرک میں مبتلا کر کے ہر طرح کی خیر و فلاح سے محروم کر ڈالا اور تمہیں ایک ظالمانہ و غلامانہ سسٹم کا دلدادہ بنا دیا، حد تو یہ ہے کہ ہم بے لوث تمہیں اِس سے نجات دلانا چاہتے ہیں اور تمہاری دبی ہوئی خوبیوں کو نکھارنا چاہتے ہیں اور تم ہو کہ اپنے بھی دشمن اور ہمارے بھی دشمن اور اِسی سسٹم کے دفاع میں ہم پر ظلم و ستم کے پہاڑ گرانے پر تلے ہوئے ہو۔

بہر حال رسول اللہ ﷺ کے جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پورے درد اور فکر مندی کے ساتھ نہایت منظّم ہو کر پُر اَمن طریقے سے اہلِ مکہ کو فلاح و کامرانی کی یقینی منزل کی طرف بلاتے رہے لیکن اِن ہی اہلِ مکہ نے پوری قوت کے ساتھ اِن حضرات کو دیوار کے ساتھ لگانے اور دبانے کی کوشش کی حتی کہ اِن اہلِ حق پر معبودِ حقیقی کی علانیہ عبادت کرنے پر بھی پابندی تھی اور آخری حربہ کے طور پر اِن

حضرات کا معاشرتی اِنقطاع (Social Boycott) کیا گیا، بیت اللہ جس کی حریت اور حرمت کی بحالی کے لیے یہ حضرات کوشاں تھے وہی اہلِ حق کے دشمنوں کا مرکز تھا اور اِن حضرات پر اِس کی زیارت اور اِس میں عبادت کی ادائیگی پر بھی پابندی تھی اِسی طرح اِن حضرات کو اپنے بعض ساتھیوں کی نہایت مظلومانہ شہادت کا غم بھی سہنا پڑا، بالآخر اللہ کے حکم سے اِن حضرات نے مکہ کو خیر باد کہا اور مدینہ منورہ کو کتاب اللہ اور غلبہ شریعت کا مرکز بنالیا اور یہاں آباد کار مختلف مذاہب کی حامل قوتوں اور قوموں سے مملکتِ اسلامیہ کے قیام کے سلسلے میں اہم اُمور پر معاہدات کیے، اِس طرح ایک کامیاب مثالی اور رفاہی ''اِسلامی سسٹم'' کی بنیاد رکھی گئی۔

آنحضرت ﷺ اور آپ کی جماعت نے اِس پہلی نوخیز مملکتِ اسلامیہ میں آباد سوسائٹی کے لیے شخصی، خانگی، معاشرتی، معاشی، سیاسی، قومی، بین الاقوامی اَلغرض ظاہری و باطنی، دینی و دُنیوی تمام پہلوؤں پر ایسے قوانین اور راہنما اُصول متعارف کرائے جس سے یہ لوگ ترقی کی راہ پر گامزن ہوگئے اور تجارت کے لیے آمد و رفت رکھنے والے قافلوں کے ذریعہ اِس نئے سسٹم کا چرچا چہار دانگِ عالم ہونے لگا اور کرۂ اَرض پر پھیلی اِنسانیت کو اپنی نجات کی کرن پھوٹتی دکھائی دینے لگی لیکن وہ طاغوتی قوتیں جنہوں نے دُنیائے اِنسانیت کو ذلت و پستی اور غلامی میں جکڑ رکھا تھا اُنہیں جب اپنے ''ظلم پر مبنی سسٹم'' کی بساط لپٹتی نظر آئی تو وہ بھی کفارِ مکہ کی طرح اِس جماعتِ حقہ اور مرکزِ عدل و فلاح کے دشمن ہوگئے لیکن مشیتِ اَیزدی اور اِرادۂ خداوندی کی راہ میں ساری قوتیں یکجا ہوکر بھی رُکاوٹ نہ بن سکیں اور یہ منظّم متحد حوصلہ مند جماعت اپنے نصب العین کے حصول میں روز اَفزوں کامیابیاں حاصل کرتی رہی، بالآخر وہ دن بھی آیا جب اللہ رب العزت نے مکہ مکرمہ کو مشرکین اور ظالمین سے آزاد کرایا اور شعائر اللہ کی عظمت بحال ہوئی بیت اللہ کو بتوں کی نجاست سے پاک کردیا گیا، اِدھر بیت اللہ کو معبودانِ باطلہ سے پاک کیا گیا اُدھر بیت اللہ کی چھت پر حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو اَذان کا حکم دے کر طبقاتیت، لسانیت، علاقائیت، رنگ، نسل، ذات پات کے بتوں اور عزت و حشمت کے من گھڑت پیمانوں کو پاش پاش کردیا گیا۔

اِن تمام مقاماتِ مقدسہ اور اُس کے اَطراف میں اِسلامی شان وشوکت کا علَم بلند ہوا، توحید کا غلغلہ ہوا، شرک مغلوب ہوا، جہالت ختم ہوئی، علومِ قرآنیہ وعلومِ نبویہ عام ہوئے، ننگ واَفلاس مٹا، خوشحالی وفارغ البالی میسر آئی، قتل وغارت گری مٹی، امن واَمان اور سکھ کا سانس ملا، زوال پر زوال آیا، عروج کو بام ملا، غلامی ومحکومی گئی، قیادت وسیادت کی صلاحیتیں پیدا ہوئیں، اَلغرض اللہ رب العزت نے قومِ عرب میں پنہاں اُن خوبیوں کو اُجاگر کیا جن کی وجہ سے اوّلین اُمت ہونے کا قرعہ اِن کے نام نکلا بہت سے دانشور حکومتوں کے ردّ و بدل اور اُکھاڑ پچھاڑ کو اِنقلاب کا نام دیتے ہیں حالانکہ اِنقلاب دراصل یہ ہے کہ قلوبِ انسانیت غیر اللہ اور اُس غیر سے تجویز شدہ تمام دستوروں کو پسِ پشت پھینک کر اللہ رب العزت کی طرف اپنی لو لگالیں اور اپنے تمام معاملات (اِنفرادی واِجتماعی) اللہ کے دستور کے مطابق کرلیں، اِن ہی معاملات میں ایک اہم معاملہ حکومت وحکمرانی بھی ہے لیکن یہ مقصد نہیں ہے بلکہ ذریعہ مقصد ہے جبکہ مقصد یہ ہے کہ اِس حکمرانی کے حصول کے بعد اِنسانیت کو اُن مسائل سے نجات دلانا جن میں جکڑ کر اُنہیں قرب وعبادتِ خداوندی سے دُور رکھا گیا ہے، حیاتِ انسانیت کی راہ میں حائل کی جانے والی اُن تمام رُکاوٹوں کو دُور کرنا ہے جو غلام وآقا (اللہ وبندہ) کے مابین ہیں، ظلم وکفر کی سازشوں سے بگڑی صلاحیتوں کو صحیح رُخ پر لانا ہے، دورِ حاضر کی طرح حکومت کا حصول، دھوکہ وفریب کے ذریعہ مال بٹورنے اور اپنی من مانی کرانے کا نام نہیں ہے۔ بہرحال اِس جماعتِ حقہ نے سعی بے مثل، اِمدادِ خداوندی کے ساتھ جزیرہ نما عرب پر قرآنی حکومت کو غالب کردیا۔

پھر چونکہ دستورِ قرآنی قومِ عرب تک محدود نہیں اور عادلانہ سسٹم کے لیے کی جانے والی جدوجہد میں ٹھہراؤ نہیں اِس لیے یہ سلسلہ آگے بڑھا چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے شاہانِ عالَم کے نام خطوط جاری فرمائے، قاصدین روانہ فرمائے اور اِس دُنیا سے پردہ فرمانے سے قبل حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا اور چونکہ جماعتی سسٹم میں قائد کے اِنخلاء سے تبدیلی کا عمل رُکا نہیں کرتا اِس لیے جنابِ نبی اکرم ﷺ کے پردہ فرما جانے کے بعد بھی آپ کے منتخب کردہ خلفاء کی قیادت میں خیر کی یہ مبارک ہوائیں پورے کرۂ اَرض پر پھیل پڑیں۔

دین اِسلام چونکہ اِنسانیت کی مکمل (دُنیا وآخرت) کی فلاح و بہبود کا داعی اور ضامن ہے اِسی بناء پر قوانین اِلٰہی پر مبنی اِس کائنات میں موجود صحیح اور محفوظ ترین کتاب اللہ (قرآنِ مجید) اِجتماعی اور اِنفرادی معمولات اور اُمور میں دستور العمل اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کو طریق العمل بنانے کی ہدایت کرتا ہے، داعی اِلی اللہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے خود دیگر داعین کے لیے دُنیائے اِنسانیت اور اَقوامِ عالَم کو دعوت دینے کا جو طریقہ کار تجویز کیا وہ اِسی طرز پر ہے کہ اوّلاً ایسے راستہ پر چلنے کی دعوت دی جائے جس پر چل کر دونوں جہانوں کی کامیابی یقینی ہے اور وہ یہ ہے کہ اِسلام میں کامل طور پر داخل ہوجاؤ اور اِس دینی وملی جدوجہد میں ہمارے شریکِ کار بن جاؤ اِس سے ہمارے مابین اُخوتِ اِسلامی کا مضبوط رشتہ بھی قائم ہوگا اور اِس دُنیا میں ہماری قومیں ترقی کی اعلیٰ منازل طے کر کے بامِ عروج حاصل کریں گی اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے آخرت میں جو عظیم نعمتیں مخفی رکھی ہیں وہ بھی ہمیں عطا فرمائیں گے۔ معلوم ہوا کہ قبولِ اسلام دُنیا وآخرت کی سلامتی کا باعث ہے اور اِس سلامتی کو حاصل کرنے کی دعوت بلا اِمتیاز ہے اِس کے حصول کی راہ میں عرب وعجم، علاقائیت، لسانیت، قومیت، رنگت کچھ بھی رُکاوٹ نہیں۔

پھر اگر کوئی قوم یا فرد اِس دعوت کو رَد کردے اور اپنی اَبدی فلاح و بہبود کو تج دے تو چونکہ دین اِسلام ''تسلیم ورضا'' کے لیے ''راہِ اِکراہ'' کا قائل نہیں اور داعی حق بھی اِس کے مکلّف نہیں کہ وہ بہرصورت اپنی دعوت پر اُنہیں مجبور کریں بلکہ اُن کے ذمہ ترغیب وترہیب ہے کہ وہ پورے درد اور فکرمندی کے ساتھ اپنا فریضہ بجالاتے رہیں، ہدایت اللہ تعالیٰ کے قبضہ وقدرت میں ہے وہ جب جسے چاہیں عطا فرمائیں لہٰذا اِنہیں ثانیاً اِس بات کی دعوت دی جائے کہ قوانینِ الٰہی کے مطابق سماج کی درست خطوط پر جو تشکیل رُوبہ عمل ہے اُسے بہرصورت قبول کریں اور سالانہ جزیہ دے کر براہِ راست عادلانہ نظام سے مستفید ہوں۔

کسی بھی سسٹم کے اچھے برے اَثرات براہِ راست عوام پر اَثر اَنداز ہوتے ہیں، جس سسٹم کے اَثرات برائی کی صورت میں سامنے آئیں تو یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ یہ نظام عوام دشمنی کے

اُصولوں پر مبنی ہے اور اِس نے اِنسانی خوبیوں کو خامیوں میں بدل کر اُن کی صلاحیتیں بگاڑ دی ہیں اور جس آبادی میں بگڑی صلاحیتوں والے لوگ آباد ہوں وہ دُنیائے اِنسانیت کے لیے رگوں میں دوڑنے والے کینسر زدہ خون کی طرح ہیں جو ہلاکت کی دُہائی دے رہا ہے اِس لیے تعلیماتِ ربانی اور اِنسانیت دوستی پر مبنی سسٹم کو بہرصورت قبول کرو، یہی فطرتِ سلیمہ کا تقاضا ہے۔

پہلے معاملہ میں اِختیار اِس لیے دیا گیا کہ وہ بندے اور خدا کا معاملہ ہے اِس کے عدمِ قبول کے اَثراتِ بد (جو نہایت ہی بھیانک ہیں) براہِ راست مخلوق پر نہیں پڑتے جبکہ دُوسری شق میں عدمِ اِختیار اِس بناء پر ہے کہ اِس کے عدمِ قبول کے اَثراتِ بد دیگر مخلوق پر بھی پڑتے ہیں اور اِس معاملہ میں خود خالق کی طرف سے رُورعایت کی اِجازت نہیں ہے، سالانہ جزیہ جو عائد کیا گیا ہے یہ اُس سسٹم کو چلانے کے لیے ہے جس کے منافع پوری قوم تک پہنچتے ہیں اور دُوسرے الفاظ میں دیگر ترتیبوں کے ساتھ اوّل شق کو قبول کرنے والوں پر بہت کچھ (زکوۃ، صدقات، عشر وغیرہ کی) ذمہ داری عائد ہے۔

دعوت کے اِن دونوں پہلوؤں پر قدرے روشنی کے بعد یہ بات بھی عیاں ہوگئی کہ وہ طبقات جو دین اِسلام کو محض اُخری فلاح و بہبود کے نقطۂ نظر کے طور پر دیکھتے اور پیش کرتے ہیں اور اُسے عبادات تک محدود رکھتے ہیں یا اِنفرادی دین کے طور پر پیش کرتے ہیں وہ دینِ اسلام کے ہمہ گیر اور وسعتوں کے حامل منشور سے نابلد اور ناآشنا ہیں، حالانکہ اُخروی کامیابی حاصل کرنے نہ کرنے میں ہر اِنسان مختار ہے جبکہ دُنیاوی کامیابی حاصل کرنا جبراً ہے، اگرچہ یہ بات بھی بدیہی ہے کہ دُنیا میں جبراً کسی صالح اور عادل نظام کی ماتحتی میں رہنے سے کسی قدر اَمن واطمینان رہتا ہے، کامل اطمینان تو مکمل طور پر اِسلام میں داخل ہونے میں ہی مضمر ہے اِس لیے کہ اِنسان مادّہ ورُوح سے مرکب ہے تو دُوسری شق قبول کرنے کی صورت میں صرف مادّہ (جسم) کو کسی قدر اطمینان رہے کہ صالح اور عادل سسٹم کی ذمہ داری میں آنے کی بناء پر دُوسروں کے ظلم وتعدی سے اُس کی جان ومال، گھربار، کاروبار محفوظ ومامون ہوگا، رُوح بہرحال اِس صورت میں بھی مضطرب رہے گی پھر اِن دونوں (جسم ورُوح) کا جو باہمی ربط ہے اِس تناظر میں رُوح کی اِضطرابی حالت کے اَثرات جسم پر بھی مرتب ہوں گے اور وہ

نحیف ہوگا اِس لیے صالح اور دیندار معالج جسمانی مریض کو رُوحانی اَمراض سے دُور رہنے کی بھی پُر روز ترغیب دیتے ہیں۔

بہر حال حضرات خلفاءِ راشدین مہدیینؓ، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور مصلحینِ انسانیت کی اَنتھک کوششوں سے اللہ کی دھرتی پر خدائی نظام کا بول بالا ہوا اور اِس طرح اللہ کی زمین پر اُس کی مخلوق نے سکھ کا سانس لیا، ظالموں کا کبر ونخوت خاک ہوا اور اُن کی قوت کمزور ہوئی اور یہ غلبۂ اِسلامی دُنیا میں کم وبیش ایک ہزار برس قائم رہا۔ نبی اکرم ﷺ اور آپ کی جماعت کی جدوجہد کے نتیجہ میں ساری کائنات پر رُونما ہونے والی تبدیلی ایک ہزار برس قائم رہنے کے بعد ماند پڑنا شروع ہوگئی، اِس موقع پر ہمیں مختصراً چند اُمور پر گفتگو کرنی ہے۔

☆ اِسلامی نظام کیوں مغلوب ہوا ؟

اُصول یہ ہے کہ مرورِ زمانہ سے حالات اور تقاضے بدلتے رہتے ہیں حکمرانوں کو چاہیے کہ وہ سیاسی بصیرت کے حامل ہوں اور نئے اُبھرنے والے تقاضوں اور ضروریات کو بھانپ کر اُس کے مطابق پالیسیاں مرتب کریں، لیکن ہوا یہ کہ ہمارے حکمران اپنی نااہلی کی بنا پر دورِ جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ پالیسیاں بنا کر اُن پر عمل پیرا نہ ہوسکے بلکہ اپنی ذمہ داریوں سے غفلت برتتے رہے جس کے نتیجہ میں ایک خلاء پیدا ہوگیا اور ہماری قومیں تنزلی کا شکار ہوگئیں۔

اِسی طرح ایک سبب اُمتِ مسلمہ کے زوال کا یہ ہے کہ بیرونی قوتوں نے اپنے جارحانہ عزائم کی تکمیل کے لیے ہماری نااہل حکومتوں کے خلاف سازشیں کیں اور وہ اُن کے جال میں پھنس گئے اور قوموں کی سلامتی خطرے میں پڑ گئی اور اِن بیرونی قوتوں نے ہمارے اِقتدار کو پھلانگ کر ساری دُنیا پر اپنے اِقتدار کے تیز نکیلے اور زہر آلود پنجے گاڑ دیے اور اُنہیں حرص وہوس کا نشانہ بنا کر اُن پر ظلم وستم کے پہاڑ گرادیے۔

☆ دُوسرا پہلو یہ ہے کہ اِسلامی نظام کی وہ کون سی خوبیاں ہیں جن کی بنیاد پر وہ ایک طویل عرصہ کامیابی کے ساتھ قائم ودائم رہا ؟

تو اِس بارے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ سسٹم اِنسانی اِختراعات پر نہیں بلکہ خالق کی تجاویز پر مبنی ہے اور خالق ہی دراصل مخلوق کے ظاہری اور پوشیدہ منافع سے واقف ہے۔ اِسلامی نظام میں اِنسان کے دونوں مرکبات مادّہ اور رُوح کے تقاضوں کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے اور یہ کہ اُس کی اساس صدق ووفا، عدل واِنصاف، اَمانت ودیانت، تقویٰ وطہارت، علم وعمل، اِخلاص وللّٰہیت، اِیثار وقربانی، عفو ودرگزر، حبِّ خدا اور خوفِ خدا اِنسانیت دوستی پر مبنی ہے۔ اِسی کا نتیجہ تھا کہ اِسلامی دور میں تمام اِنسانوں کو بلا تفریقِ رنگ ونسل ومذہب، تعلیم، امن و اَمان، معاشی خوشحالی وفارغ البالی، عدل واِنصاف، علاج معالجہ، روزگار، رہائش، صاف ستھرا ماحول، اُلفتوں اور محبتوں سے بھرپور دیہی وشہری زندگی، مساوات کی بنیاد پر ذرائع معاش تک دسترس، اَلغرض اُنہیں اُن کے تمام حقوق اُن کی دہلیز پر ملتے تھے اور اِنسانیت بڑے سکھ کے ساتھ جیتی تھی۔

☆ تیسرا پہلو یہ ہے کہ موجودہ دور میں دُنیا کی قیادت کرنے والے سسٹم کون سے ہیں اور اُن کی ناکامی کے اَسباب کیا ہیں ؟

تو اِس بارے میں عرض ہے کہ دُنیا سے اِسلامی نظام کو تہہ و بالا کر کے جو قومیں پیشرو بنیں اُنہوں نے سب سے مقدم سرمایہ داری نظام متعارف کرایا جن کا نقطۂ نظر صرف اور صرف اِقتدار اور مال کا ہوس ہے، اِن دونوں میں بھی پھر اصل مال یعنی سرمایہ کا حصول ہے، اِقتدار بھی اُن کے ہاں سرمایہ ہڑپ کرنے کا ایک سودمند نفع بخش کاروبار ہے۔ اِس نظام کی بنیاد حرص، ہوس، سود، ذخیرہ اَندوزی، مصنوعی قلت، دھوکہ، فراڈ، اَلغرض یہ اور اِس جیسے دیگر وہ تمام حربے جو اِنسانوں کے اِستیصال کے لیے کارگر ثابت ہو سکتے تھے اِختیار کیے جاتے ہیں۔ اِس نظام میں اِنسانی عزت ووقار، شرف وعظمت، ترقی ورفعت کا سبب سرمائے کو قرار دیا جاتا ہے جس سے حرص وبخل اور دیگر تمام رزائل پیدا ہوتے ہیں، معاشرہ ٹکڑوں میں بٹ جاتا ہے اور ایک مخصوص طبقہ کی خوشحالی، عیش پسندی، راحت کوشی کی خاطر کروڑوں اِنسانوں کے مفاد ومصالح کو بھینٹ چڑھا کر عام کساد بازاری اور بے روزگاری پیدا ہوجاتی ہے، جس معاشرہ میں حکمران طبقہ اپنے اَندھے قوانین کے ذریعہ مصنوعی قحط پیدا کردے وہاں

امن و اَمان تباہ و برباد ہو جاتا ہے، مجبور و حریص لوگ چوری، ڈکیتی، فراڈ اور رشوت اِختیار کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اِس نظام نے اپنی ظالمانہ چال ڈھال سے زندگی کے تمام شعبوں میں درندگی اور حیوانیتِ محضہ کو اُبھارا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کے ظالمانہ دستبرد نے مزدوروں اور غریبوں میں بیداری کی لہر دوڑا دی لہٰذا اِنقلاب کے نام پر جدید معاشی نظام (اِشتراکیت) متعارف کرایا گیا لیکن اِس کے فلسفہ کی بنیاد میں خدا سے اِنکار اور اِلٰہیات سے نفی سرِ فہرست ہے اور اِس اِنکار کی علت بھی دراصل سرمایہ دارانہ ذہنیت کے حامل گروہوں کی چال ہے جنہوں نے مذاہب کو حکومتیں چلانے اور قوموں پر اِقتدار حاصل کرنے کے آلۂ کار کے طور پر استعمال کیا لیکن اِس لادینی فلسفہ کے ساتھ اِسلام کا کوئی ربط و تعلق نہیں ہے۔ مزید برآں یہ کہ اِس جدید اِقتصادی سسٹم میں اِنفرادی ملکیت (جو اِنسانی قوائے عملی میں زبردست تحریک پیدا کرتی ہے) کا اِنکار کیا گیا جس سے عوامی عدم دلچسپی کی بناء پر اِنفرادی اور اِجتماعی معاشی نقصان کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔

دُنیائے اِنسانیت نے دونوں نظاموں کو دیکھ لیا ہے اور وہ اِن سے سخت مایوس ہے اور اِنسانیت پھر کسی نجات دہندہ سسٹم کی متلاشی ہے جو اُن کی رُوحانی اور جسمانی ضرورتوں اور تقاضوں کو برلائے اور اطمینان کا باعث ہو۔ باقی یورپ کی جو موجودہ ترقیات ہمیں نظر آرہی ہیں اور ہماری آنکھیں اُن سے چندھیا گئی ہیں یقیناً اُن اَقوام نے ستاروں پر کمندیں ڈال رکھی ہیں اور زمین اپنے تمام خزانے اُن کے سامنے اُگلنے پر مجبور ہے اور سمندر کی گہرائیوں تک اُن کی رسائی ہے لیکن یورپ کی اِس مادّی ترقی کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ وہ دُنیا بھر کے اِنسانوں کے دُکھوں کا مداوا کرتے اور اِنسانیت کو ظلم سے نجات دلا کر امن، خوشحالی اور ترقیات سے ہمکنار کرتے لیکن ہو یہ رہا ہے کہ لاکھوں لوگ بھوک سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر رہے ہیں جبکہ اُن کے گوداموں میں کروڑوں من گندم کا ذخیرہ ہے لیکن یہ ذخیرے ایشیاء اور افریقہ کے عوام تک نہیں پہنچتے کہ کہیں یہ لوگ آزاد نہ ہو جائیں، میڈیکل سائنس کی ترقی کے سامنے اَمراض گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہیں لیکن کروڑوں لوگ غربت کے سبب اِس ترقی سے اِستفادہ نہیں

کر سکتے، اِن اَقوام کی تمام تر کوشش یہ ہے کہ تمام دُنیا پر اُن کی بالا دستی قائم ہو جائے تا کہ اِنہیں اپنا غلام رکھا جا سکے۔

مسلمانوں نے اپنے دور میں دُنیائے اِنسانیت کو اَمن اور خوشحالی دی، اگر چہ سائنسی ترقیات ابھی اِس نہج پر نہ پہنچی تھیں لیکن اِس کے باوجود مسلمان بے شمار قوموں کو ساتھ لے کر چلے، یورپ نے اپنی ترقیات کو اِنسانیت کی خدمت کے لیے استعمال نہیں کیا بلکہ اُن پر ظلم ڈھانے اور انہیں غلام رکھنے میں استعمال کیا، مزید یہ کہ یورپین اَقوام نے یہ ترقیات ہمارے علوم وفنون سے کیں اور اُن پر تجربات اور اُن کے پھیلاؤ کے لیے ہمارا غصب شدہ سرمایہ صرف کیا اور پھر بعض مہلک ترقیات کا تجربہ بھی ہم پر کیا۔

بہر حال یہ دونوں نظام ناکام ہو چکے ہیں اور اب یہ بقاء کی جنگ میں مصروف ہیں اور اُن کی تباہی اور ناکامی کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ یہ تعلیماتِ ربانی کی راہنمائی سے نابلد ہیں اور مخلوق کی ذاتی اِختراع کو اِس میں دخل ہے، اِن ظالموں نے ہمارے ساتھ مزید ظلم یہ کیا کہ ہمیں ہماری ہی نظروں سے گرا دیا اور ہماری نظروں سے ہمارے ہی سرمایہ کو حقیر و بے اہمیت کر دیا چنانچہ ہمیں یہ باور کرایا جاتا ہے کہ مسلمان کسی مہلک مرض کا شکار ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسلمان بیمار ضرور ہیں لیکن اُن کی یہ بیماری عارضی اور قابلِ علاج ہے اور وہ عارضی بیماری مایوسی، بے ہمتی اور بے بضاعتی ہے۔ ضرورت اِس اَمر کی ہے کہ ہم اپنی قدر کو جانیں اور اپنے سرمایہ (قرآن وحدیث، فقہ اور مکمل اِسلامی نظامِ حیات) کی قدر ومنزلت اور اُس کے علوم سے بہرہ ور ہوں۔ دُنیائے اِنسانیت آج سارے نظاموں سے مایوس ہو چکی ہے اور وہ کسی نجات دہندہ سسٹم کی متلاشی ہے، قسم ہے اللہ رب العزت کی کہ وہ نظام صرف اور صرف ''اِسلامی نظام'' ہے، اب سوال یہ ہے کہ یہ بامِ عروج کیسے نصیب ہو جس سے اِنسانیت سکھ کا سانس لے۔

☆ چوتھا پہلو یہ ہے کہ اِس زوال اور غلامی کے اَثرات کیا ہیں ؟

اِس عنوان کے کچھ پہلوؤں کی کچھ جھلک دکھلائی گئی ہے مزید بر آں یہ کہ اِس وقت کل اِنسانیت جسمانی اور رُوحانی حوالہ سے مضطر اور بے چین ہے، امن واَمان عنقا ہو گیا، ساری کائنات عدمِ تحفظ کا شکار ہے، عدل و اِنصاف کے تمام تقاضے روندے جا رہے ہیں، بے حیائی اور بے غیرتی تمام

حدوں کو پار کر چکی ہے، ظلم و جہل پوری آب و تاب کے ساتھ ظہور پذیر ہو چکا ہے، اِنسانیت کی تمام قدریں پامال ہو چکی ہیں، علم و اِنصاف سرِ عام فروخت ہو رہا ہے۔ اَلغرض اِنسانی حیات کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں اِن ظالمانہ سسٹموں نے اپنے ناپاک جراثیم نہ چھوڑے ہوں اور اُن کے منحوسانہ اَثرات سرایت نہ کیے ہوں، مزید یہ کہ دُنیا کے اِقتدار پر براجماں یہ تمام جتھے اِن تمام حالات کا ذمہ دار مسلمانوں کو قرار دیتے ہیں اِس لیے کہ اُنہیں معلوم ہے کہ ہماری جگہ دُنیا کی اگر کوئی قیادت صلاحیت اور فکر رکھتا ہے تو وہ سسٹم ''اِسلام'' ہے۔

☆ پانچواں پہلو یہ ہے کہ ہم اِس غلامی سے نجات کیوں نہیں پا رہے ؟

یہ بڑا دالخروش موضوع ہے، اِس کی کئی وجوہات ہیں، سب سے اوّل یہ کہ ہم نے دین و دُنیا کی تقسیم میں خلافت و سیاست کی اِلٰہی ذمہ داریوں سے کنارہ کشی اِختیار کر لی اور مذہبِ اسلام کو چند اعتقادات اور عبادات تک محدود تسلیم کر لیا ہے اور ذلت و غلامی کی زندگی پر سمجھوتہ کر بیٹھے ہیں اور اِسے اپنا مقدر تسلیم کر کے بے یار و مددگار ہو چکے ہیں، حد تو یہ ہے کہ ہماری قوم کو اپنی غلامی اور ذلت و پستی کا احساس تک نہیں ہے، وہ سرحدوں اور اپنی ہی طاقت کی تقسیم کے دن کو ''یوم آزادی'' کے طور پر مناتے ہیں جس قوم کی نہ معیشت آزاد ہو نہ سیاست اپنی ہو، عدالتی نظام اپنا ہو نہ تعلیمی نظام اپنا ہو، فکر اپنی ہو نہ تہذیب اپنی ہو، وہ قوم کیسے آزاد قوم کہلا سکتی ہے۔ مزید یہ کہ ہمیں دوست اور دشمن میں اِمتیاز نہیں جو ہمارے مخلص خیر اخواہ اور غم خوار ہیں اُنہیں ہم دیکھنے اور سننے کے لیے تیار نہیں اور ہمارے زعم میں اُن کو ہمارا دشمن بنا دیا گیا ہے اور جو ہمارے حقیقی دشمن ہیں اُنہیں ہم اپنا خیر خواہ مان رہے ہیں اُن کی تہذیب اُن کی تعلیم سب کے مقلد اور مرعوب ہیں، ہم خود اعتمادی کے شدید فقدان میں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم دُنیا کی راہنمائی کے اہل نہیں ہیں اور شدید احساسِ کمتری کا شکار ہیں کہ اِس جدید دور کے لیے ہمارے پاس دُنیا کی راہنمائی کے لیے کوئی فکر نہیں ہے، ہمارے دشمنوں نے ہم سے ہماری متاع قرآن و حدیث اور اُن کا پیغام پھیلانے والی طاقت (نوجوان) چھین لیا ہے اور انہیں اپنی تعلیم سے آراستہ پیراستہ کر کے اپنا ہمنوا بنا لیا ہے اور بے راہ روی کا شکار بنا لیا ہے۔

صفحۂ ہستی سے وہ قومیں مٹ جایا کرتی ہیں جو کسی حادثہ کی صورت میں اُبھریں لیکن وہ قومیں جو کسی فکر اور نظریہ کی اَساس پر اِنسانیت کی خدمت میں اُبھر کر سامنے آئیں وہ اُس وقت تک نہیں مٹ سکتیں جب تک اُن کی فکر باقی رہے، اور ہمارا نظریہ اور فکر کتابِ خداوندی، حدیثِ رسول، دینِ متین اور شریعتِ مطہرہ ہے اور اِس کی حفاظت وعدۂ خداوندی ہے، اِسے دُنیا کی کوئی طاقت نہیں مٹا سکتی، ہمارے پاس اِس کتاب کی صورت میں دُنیا کی تمام گزشتہ اَقوام میں کامیاب و ناکام کی تاریخ اور اَسباب وعلل ہیں اور خود ہماری ایک روشن تاریخ ہے اِس لیے ہمیں کسی احساسِ محرومی کا شکار نہیں ہونا چاہیے اور خود اعتمادی کے ساتھ میدانِ عمل میں اُترنا چاہیے، یہ زوال کے دور کی سب سے بڑی نیکی اور سب سے عظیم ذمہ داری ہے اور یہ اُمت اَنبیاء علیہم السلام کے اِسی مشن کی وارِث ہے جس سے وہ دُوسروں کے لیے نافع بن کر فلاح ونجات کا باعث ہو۔

☆ اِس تمہید کا آخری اہم پہلو یہ ہے کہ مشکلات ومصائب اور ذلت وپستی سے کیسے نجات حاصل کی جائے، زوال سے کیونکر عروج نصیب ہو ؟

اِس موقع کی مناسبت سے حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے خطاب کا پیرایہ اِختصار کے ساتھ نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں، فرمایا :

> ''دُنیا کی اَقوام جب مشکلات وآلام میں مبتلا ہوئیں جبھی اللہ تعالیٰ نے اَنبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اُنہوں نے آکر اَقوام کو مشکلات سے نجات دلائی، اَنبیاء علیہم السلام کی بعثت محض اِس لیے نہیں ہوئی کہ وہ مسجدوں میں نمازیں پڑھوا دیں یا سفرِ حج کروادیں یا اور عبادات کروادیں، یہ مقصودِ اصلی ہیں لیکن اِس کے ساتھ دُنیوی مشکلات اور مصائب کا خاتمہ کرنا اِنسانوں میں امن وسکون پیدا کرنا، حقوق کی ادائیگی کرانا، یہ سب اَنبیاء علیہم السلام کے فرائض میں سے ہے جہاں وہ آخرت کی مشکلات سے نجات دلاتے ہیں وہیں دُنیا کی مشکلات سے بھی نجات

دلاتے ہیں، ہاں نجات وہ قوم پاتی ہے جو اُن کے نقشِ قدم پر چلے، جو چلا اُس نے دُنیا و آخرت میں نجات پائی اور جو نہ چلا وہ دُنیا و آخرت میں خائب و خاسر ہوا۔''

ہمارا معاشرہ ایک ایسے مریض کی مانند ہے جو طبیبِ حاذق کو اپنانا نہیں چاہتا، اپنانا چاہتا ہے تو اُس کی تدابیر و تجاویز اور پرہیز سے بھاگتا ہے، ہر عاقل جانتا ہے کہ ایسا مریض قابلِ علاج ہو کر بھی خود کو لاعلاج بنالیتا ہے، طبیب کا علم اور اُس کی ریاضت ایسے مریض کے کس کام کی ؟

اِس دھرتی پر پیدا ہونے والے تمام مسائل و مصائب کی علت علمِ وحی اور اُسوۂ نبوی ﷺ سے لاتعلقی ہے، یہی ہمارے اَمراض کا سبب ہے اِن اَمراض کا علاج علم اِلٰہی اور طریقِ مصطفائی ﷺ کو اپنانا ہے، نزولِ وحی سے قبل کے دور کو دورِ جہالیت سے تعبیر کیا جاتا ہے دورِ کذب، دورِ فسق و فجور یا دورِ لہو و لعب سے تعبیر نہیں کیا گیا معلوم ہوا کہ تمام اَمراض کی اصل علت علمِ حقیقی سے دُوری، جہالت اور دُوسرے اَخلاقِ بد ہیں یعنی علمی و عملی قوت کا فنا ہو جانا ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا کہ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، دُوسری جگہ فرمایا اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ کہ میں اِس لیے بھیجا گیا ہوں تا کہ تمہارے اَخلاق کو پاکیزہ بناؤں تمہارے سامنے پاک اَخلاق کا نمونہ پیش کروں اور اعلیٰ ترین اَخلاق پر لا کر تمہیں کامل و مکمل بناؤں۔ قومِ عرب و دیگر اَقوام کو علومِ قرآن، علومِ نبوت اور اَخلاقِ محمد ﷺ اپنا کر ہی عروج نصیب ہوا اور یہی دراصل علومِ حقیقی ہیں، باقی دُنیوی علوم جن سے آدمی غذا، رہائش اور آرائش و زیبائش حاصل کرتا ہے وہ علوم نہیں بلکہ صنعت و حرفت اور دستکاری کہلاتے ہیں اور وہ مقاصدِ بعثتِ اَنبیاء علیہم السلام نہیں ہیں، اَنبیاء کی بعثت نہ بھی ہو تب بھی اِنسان اِن تدابیز کو اِختیار کر سکتا ہے، نبوت کا مقصد معاشرتی ضروریات کی تدابیر سکھلانا نہیں ہے۔

علمِ دین کی اِبتداء ﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ﴾ سے ہے یعنی ایسا دین جس میں رب کا تعارف ہو، پہاڑوں زمینوں درختوں اور جانوروں کا تعارف نہیں بلکہ خدا کی ذات و صفات اور اُس کی شان کا علم ہوتا کہ ہم جان سکیں کہ اُس کے اَحکامات و قوانین کیا ہیں، اِن ہی علوم کو اپنا کر اِنسانیت اور خلافت کا ملکہ حاصل ہوتا ہے، قومِ عرب نے جب حضور ﷺ کی آواز پر لبیک کہا تو تیرہ برس کے اَندر

وہ کیفیت پیدا ہوئی کہ بڑے بڑے سلاطین کے تخت اُلٹ گئے، دُنیا میں اِنقلابات برپا کر دیے حکومتیں تہہ وبالا ہوگئیں، اِن کا عروج واِقتدار پوری دُنیا میں پھیل گیا، پچاس سال میں نصف دُنیا کے اُوپر اِسلام کی حکومتیں قائم ہوگئیں، محض اِس قرآن اور اَخلاقِ نبوی ﷺ کے بدولت یہ سب ممکن ہوا۔

ہمیں یہ عروج اُس وقت تک نصیب رہا جب تک اِن علوم ومعارف اور اَخلاقیات سے جڑے رہے لیکن جب ہم نے اِس سے لاتعلقی کی تو زوال کی گہری اور بدبودار دلدل میں جا گرے، یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اُس نے اِسلام کو اَبدی مذہب بنایا ہے جو قیامت تک مٹنے والا نہیں لیکن ہم نے اِس کے مٹانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اِس لیے کہ جب اِس کی تعلیم کو سرے سے ختم کر دیا جائے اور اِس کے اَخلاق کو ترک کر دیا جائے تو اَسباب کی دُنیا میں تو ہم نے اِسے فنا کر دیا، ہاں رسول اللہ ﷺ کے اِرشاد کے مطابق لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ مَنْصُوْرِیْنَ عَلَی الْحَقِّ لَا یَضُرُّھُمْ مَنْ خَذَلَھُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَھُمْ حَتّٰی یَاْتِیَ اَمْرُ اللّٰہِ کہ میری اُمت میں ہمیشہ ایک طبقہ رہے گا جس کے حق ہونے پر اُن کی مدد کی جائے گی اُنہیں رُسوا کرنے والا اُنہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور نہ اُن کی مخالفت کرنے والا یہاں تک کہ اللہ کا اَمر آجائے۔

آج بھی کچھ ایسے طبقات موجود ہیں جو علم واَخلاق کو محفوظ رکھے ہوئے ہیں اور رکھیں گے لیکن اُمت کی اِس بیگانگی اور بے تعلقی کے سبب اِنسانیت ذلت وپستی اور مشکلات ومصائب میں مبتلا ہے اور حقیقتِ اِسلام پہلے کی طرح غریب یعنی اجنبی حالت میں ہو گیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اُن ہی میں سے مصلحین بھی پیدا فرماتا ہے جیسا کہ اِرشادِ نبوی ہے :

اِنَّ الدِّیْنَ بَدَأَ غَرِیْبًا وَ سَیَعُوْدُ کَمَا بَدَأَ فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَاءِ وَھُمُ الَّذِیْنَ یُصْلِحُوْنَ مَا اَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِیْ. (مشکوۃ شریف کتاب الایمان رقم الحدیث ۱۷۰)

''دین اِبتداء میں اجنبی تھا عنقریب پھر اجنبی ہو جائے گا پس خوشخبری ہے ''غرباء'' کے لیے اور یہ وہ لوگ ہوں گے کہ میرے بعد لوگوں نے جس دین کو بگاڑ دیا ہوگا یہ اُسے درست کریں گے۔''

آج ہماری بالخصوص اہلِ علم کی ذمہ داری یہ ہے کہ ہم چونکہ اَنبیاء کے مشن کے وارث ہیں تو قوم کی ڈوبتی نبض کی شناسائی کریں اور اِنسانیت کو مشکلات ومصائب سے نکالنے کے لیے علمِ حقیقی اور اَخلاقِ نبوی عام کریں اور رسول اللہ ﷺ اور حضراتِ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طرز پر جہدِ مسلسل اِختیار کریں۔

دُنیا میں جامع ترین مذہب ''اِسلام'' ہے زندگی کے ہر شعبہ میں اُس نے مکمل تعلیم دی ہے کھانے پینے، پہننے اور سونے کے طریقے بتلائے، رہن سہن کے ڈھنگ سکھلائے، صلح و جنگ، حکومت اور نظامِ ملت کے طریقے بتلائے، یہ سب کچھ تب ہی سامنے آئے گا جب ہم علمِ حقیقی حاصل کریں گے۔ حدیث وفقہ کے ہزاروں اَبواب ہیں اور سب میں زندگی کے موڑوں کا تذکرہ ہے، اعتقادات، عبادات، معاملات، معاشرت، سیاست وقیادت کے الگ الگ باب ہیں، مقدمات، جنگ وجدال، کھیل وغیرہ تمام کے الگ ابواب ہیں جس کو آپ کھولیں گے تو مفصل احکام نکلیں گے لیکن یہ جامعیت بھی جب ہی پیدا ہوگی جب آدمی دینِ اسلام کی تعلیم حاصل کرے اور تربیت پائے، ہر شخص کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ مکمل عالم بنے، ہاں ہر ایک کو روزمرہ کے دینی اعمال کا علم ہونا ضروری ہے۔

دُوسری بات یہ ہے کہ پوری اُمت کی اِصلاح کے لیے یہ بھی بہت ضروری ہے کہ کم اَز کم ہر خاندان میں سے ایک صحیح راسخ العقیدہ مضبوط عالم ہو جو خاندان بھر کی نگرانی رکھے اور پوری اُمت کی مشکلات ومصائب کے حل کے اِجتماعی عمل میں حصہ لے اِس لیے کہ یہ عمل سنت اَنبیاء علیہم السلام اور سنتِ خاتم المرسلین ﷺ ہے اور اِسی پر اَجرِ عظیم کے وعدہ کا ترتب ہے جو رسول اللہ ﷺ کے اِس اِرشاد میں ہے : مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِيْ فَلَهٗ اَجْرُ مِأَةِ شَهِيْدٍ.

سولہویں صدی عیسوی میں جو دُنیا نے کروٹ لی تو اُس کے نتیجہ میں نئے نئے نظریات، عجیب وغریب مسائل، جدید تقاضے اور سابقہ سے یکسر مختلف حالات کا سامنا ہے۔ اَلحمدللہ! ہمارے اکابرین حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت اِمام شاہ ولی اللہؒ اور اُن کے عظیم خاندان، اِس کے علاوہ حضرت حاجی اِمداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مدنیؒ، حضرت کشمیریؒ،

حضرت مفتی کفایت اللہؒ، حضرت مولانا محمد اِلیاسؒ اور حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ وغیرہم اور اِن کی عظیم جماعت اور اِس قافلہ کے تمام اَکابرین نے جو علمی و عملی خدمات سرانجام دی ہیں وہ ہمارے لیے لائحہ عمل ہیں۔ اَنبیاء علیہم السلام کی طرح اِن حضرات کی پوری زندگی بندگانِ خدا کی خدمت سے بھرپور ہے، اَنبیاء علیہم السلام کے مشن، اَقوامِ عالَم کی حریت و آزادی کے لیے اِن حضرات کی قربانیاں اپنی مثال آپ ہیں، اِنسانیت کو مشکلات و مصائب سے نجات دلانے، غلامی و ذلت سے نکال کر عروج و ترقی کی راہ پر ڈالنے کے لیے ہمیں اپنے اِن مذکورہ اَکابرین کے عظیم علمی سرمایہ اور فقید المثال عملی نمونے کو اپنانا ہوگا، بالخصوص اَکابرینِ مدارس و جامعات کو اِن حضرات کی تصانیف، سوانح، اَفکار اور نظریات کو نصابِ مدارس کی رُوح بنا کر شاملِ نصاب کرنا ہوگا۔ اِسی صورت میں ہم اپنا علمی، عملی و قولی فریضہ ادا کر سکتے ہیں اور اپنے اِن اَکابرینؒ حضراتِ صحابہؓ اور رسول اللہ ﷺ اور آئندہ نسلوں کے سامنے سرخرو ہو سکتے ہیں۔

اَنبیاء علیہم السلام اور اَکابرین کے اِس عظیم مشن کو ہی سامنے رکھ کر ہمیں قرآنِ کریم اور اَحادیثِ نبوی اور دینِ اِسلام کا مطالعہ کرنا چاہیے اور دینِ متین کا تعارف پیش کرنا چاہیے اور زندگی بھر اِس کو نصب العین کے طور پر اپنانا چاہیے، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کا خدمت گار بنائے، آمین۔

مخیّر حضرات سے اَپیل

جامعہ مدنیہ جدید میں بحمد اللہ چار منزلہ دارُالاقامہ (ہوسٹل) کی تعمیر شروع ہو چکی ہے پہلی منزل پر ڈھائی کروڑ روپے کی لاگت کا تخمینہ ہے، مخیّر حضرات کو اِس کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی دعوت دی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ (اِدارہ)

وفیات

۲۲ / جولائی کو جامعہ مدنیہ جدید کے اُستاذ الحدیث حضرت مولانا محمد حسن صاحب اور مولانا خلیل الرحمٰن صاحب مدظلہم کی والدہ صاحبہ طویل علالت کے بعد اِنتقال فرما گئیں، مرحومہ بہت صابر وشاکر اور نیک دل خاتون تھیں۔ اہلِ اِدارہ اِن کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور تعزیتِ مسنونہ پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اَعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور اُن کے لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

۱۵ / جولائی کو جامعہ مدنیہ کے سابق اُستاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی قاری عبدالرشید صاحبؒ کی اہلیہ صاحبہ، مولانا عمران ومفتی سلمان صاحبان کی والدہ صاحبہ، ڈاکٹر محمد امجد ومولانا عابد صاحبان کی خوشدامن صاحبہ طویل علالت کے بعد اِنتقال فرما گئیں، اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اَعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور اُن کے لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے، اہلِ اِدارہ اِن کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور تعزیتِ مسنونہ پیش کرتے ہیں۔

۲۲ / جولائی کو جامعہ مدنیہ جدید کے خیر خواہ ہائیر فیکٹری کے مالک جناب حاجی کوچی خان صاحب وفات پا گئے۔

۱۹ / جولائی کو جامعہ مدنیہ لاہور کے قدیم پڑوسی جناب حاجی مختار احمد صاحب بھٹی اچانک وفات پا گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

جامعہ مدنیہ جدید اور خانقاہِ حامدیہ میں مرحومین کے لیے اِیصالِ ثواب اور دُعائے مغفرت کرائی گئی اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، آمین۔

جامعہ مدنیہ جدید و مسجد حامدؒ
کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیجیے

بانیٔ جامعہ حضرت اَقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمہ اللہ نے جامعہ مدنیہ کی وسیع پیمانے پر ترقی کے لیے محمد آباد موضع پاجیاں (رائیونڈ روڈ لاہور نزد چوک تبلیغی جلسہ گاہ) پر برلب ِسڑک جامعہ اور خانقاہ کے لیے تقریباً چوبیس ایکڑ رقبہ ۱۹۸۱ء میں خرید کیا تھا۔ جہاں الحمدللہ تعلیم اور تعمیر دونوں کام بڑے پیمانہ پر جاری ہیں۔ جامعہ اَور مسجد کی تکمیل محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کی طرف سے توفیق عطاء کیے گئے اہلِ خیر حضرات کی دُعاؤں اور تعاون سے ہوگی۔ اِس مبارک کام میں آپ خود بھی خرچ کیجیے اَور اپنے عزیز و اَقارب کو بھی ترغیب دیجیے۔ ایک اَندازے کے مطابق مسجد میں ایک نمازی کی جگہ پر دس ہزار روپے لاگت آئے گی، حسبِ استطاعت زیادہ سے زیادہ نمازیوں کی جگہ بنوا کر صدقۂ جاریہ کا سامان فرمائیں۔

منجانب

سیّد محمود میاں مہتمم جامعہ مدنیہ جدید و اَراکین اَور خدام خانقاہِ حامدیہ

خطوط، عطیات اور چیک بھیجنے کے پتے

سیّد محمود میاں ''جامعہ مدنیہ جدید'' محمد آباد 19 کلومیٹر رائیونڈ روڈ لاہور

فون نمبر : 35330310 - 42 - 92+ فیکس نمبر 35330311 - 42 - 92+

فون نمبر : 37726702 - 42 - 92+ فیکس نمبر 37703662 - 42 - 92+

موبائل نمبر 4249301 - 333 - 92+

جامعہ مدنیہ جدید کا اَکاؤنٹ نمبر (0-7915-100-020-0954)MCB کریم پارک برانچ لاہور

مسجد حامد کا اَکاؤنٹ نمبر (1-1046-100-040-0954)MCB کریم پارک برانچ لاہور